حکایاتِ صحابہ

رضی اللہ عنہم



شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

امابعد اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مربی و محسن کا ارشاد ۵۳ھ میں ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چند قصے بالخصوص کم سن صحابہ رضی اللہ عنہ اور عورتوں کی دینداری کی کچھ حالت اردو میں لکھی جائے تاکہ جو لوگ قصوں کے شوقین ہیں وہ واہی تباہی جھوٹی حکایات کی بجائے اگر ان کو دیکھیں تو ان کے لئے دینی ترقی کا سبب ہو اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کے بجائے ان کو سنائیں تو بچوں کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت اور عظمت کے ساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو۔ میرے لئے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہونے کے علاوہ اللہ والوں کی خوشنودی دو جہان میں فلاح کا سبب ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اپنی کم مائیگی سے یہ اُمید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کر سکتا ہوں۔ اس لئے چار برس تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذار دوں کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصے ان کے حالات یقیناً اس قابل ہیں، کہ اُن کی تحقیق اور تفتیش کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے۔ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت جس کو اللہ جل شانہ نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسول ﷺ کی مصاحبت کے لئے چنا اس کی مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ صوفیاء کے سردار حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر

ہے جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے کسی نے دریافت کیا کہ اسکی کوئی دلیل بھی ہے۔ فرمایاہاں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ترجمہ:۔ "اور پیغمبروں کے قصّوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کی) یاددہانی ہے" (بیان القرآن) ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جمالینے کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیثیں ہوں یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا معتبر لوگوں کے وعظ وارشادات، یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جائے بلکہ اپنی حالت اور استعداد کے موافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں، کہ میں ایک واعظ کی مجلس میں حاضر ہوا، اُن کے وعظ کا اثر فارغ ہونے کے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا، تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا، تو اس کا اثر گھر میں پہنچنے پر بھی رہا، میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے سب توڑ دیئے اور اللہ کا راستہ اختیار کر لیا۔ اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سرسری طور پر ایک مرتبہ انکے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے، اس لئے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہیے۔ پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کی دل نشین ہونے کے خیال سے میں نے اس رسالہ بارہ ۱۲ بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقت کا جھیلنا

حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دشوار ہے۔ تاریخ کی کتابیں ان واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ان پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا، ہم ان کے معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے۔ اس باب میں چند قصوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرنا ہے۔ ان میں سب سے پہلے خود حضور اکرم ﷺ کے ایک قصہ سے ابتدء کرتا ہوں کہ حضور ﷺ کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ

نبوت مل جانے کے بعد نو برس تک نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے، لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا جو مسلمان ہو گئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپ کی مدد کرتے تھے۔ اکثر کفار مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ مذاق اڑاتے تھے اور جو ہو سکتا تھا اس سے درگذر نہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے چچا ابو طالب بھی انہی نیک دل لوگوں میں تھے جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضور ﷺ کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ دسویں سال میں جب ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مہار اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا موقع ملا۔ حضور اقدس ﷺ اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں قبیلہ ثقیف کی بڑی جماعت ہے، اگر وہ قبیلہ مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور

دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے۔ وہاں پہنچ کر قبیلہ کے تین سرداروں سے جو بڑے درجے کے سمجھے جاتے تھے گفتگو فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اللہ کے رسول کی یعنی اپنی مدد کی طرف متوجہ کیا۔ مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ دین کی بات کو قبول کرتے یا کم سے کم عرب کی مشہور مہمان نوازی کے لحاظ سے ایک نووارد مہمان کی خاطر مدارات کرتے صاف جواب دے دیا اور نہایت بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے۔ ان لوگوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ یہاں قیام فرمالیں جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہوں گے اور مہذب گفتگو کریں گے اُن میں سے ایک شخص بولا کہ اوہو آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا بولا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا اس لئے کہ اگر تو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے تو تیری بات سے انکار کردینا مصیبت سے خالی نہیں، اور اگر جھوٹ ہے تو میں ایسی شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے نہ امید ہو کر حضورِ اکرم ﷺ نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ ﷺ تو ہمت اور استقلال کے پہاڑ تھے مگر کسی نے بھی قبول نہ کیا۔ بلکہ بجائے قبول کرنے کے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ۔ حضورِ اکرم ﷺ جب ان سے بالکل مایوس ہو کر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگادیا کہ آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہوگئے۔ حضورِ اقدس ﷺ اسی حالت میں واپس ہوئے جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَ اَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ، اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَ لٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَ جْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ

تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔ فی سیرۃ ابن ھشام

قلت: و اختلف الروایات فی الفاظ الدعاء کما فی قرۃ العیون۔

"اے اللہ تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رُو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا۔ اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے میں تیرے چہرہ کے اُس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو تیری نارضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت "

مالک الملک کی شان قہاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل نے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالی نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور اُن کے جوابات سنے اور ایک فرشتہ کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں، اس کے بعد اس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو میں اس کی تعمیل کروں اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ تجویز فرمائیں۔ حضور ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو اُن کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اس کی عبادت کریں۔

ف: یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے کسی کی معمولی سی گالی دیدینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ کہیں اترتا ظلم پر ظلم اس پر کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اپنے محمدی ہونے کا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم ﷺ اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ بددعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں۔

۲۔ قصہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ ان کو اس چیز کا صدمہ تھا اس پر اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیم الشان لڑائی اور تو اس میں شریک نہ ہوسکا۔ اس کی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں۔ اتفاق سے احد کی لڑائی پیش آگئی جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے۔ احد کی لڑائی میں اول اول تو مسلمانوں کو فتح ہوئی تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہوچکی اس لئے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے اور غنیمت کا مال حاصل کیا جائے۔ اس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور ﷺ کی ممانعت تھی۔ تم یہاں سے نہ ہٹو۔ مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا۔ وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہنچ گئے۔ بھاگتے ہوئے کافروں نے اس جگہ کو خالی دیکھ کر اس طرف سے آکر حملہ کردیا۔ مسلمان بے فکر تھے اس اچانک بے خبری کے حملہ سے مغلوب ہوگئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آگئے جس کی وجہ سے ادھر اُدھر پریشان بھاگ رہے تھے۔ حضرت انس ؓ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ ان سے کہا کہ اے سعد کہاں جارہے ہو، خدا کی قسم جنت کی خوشبو احد کے پہاڑ سے آرہی ہے۔ یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں

تھی ہی کافروں کی ہجوم میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہو گئے واپس نہیں ہوئے شہادت کے بعد ان کے بدن کو دیکھا گیا تو چھلنی ہو گیا تھا۔ اسی سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے، اُن کی بہن نے اُنگلیوں کے پوروں سے اُن کو پہچانا۔

ف: جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں اُن کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔ اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک معتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص خادم ہیں حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ "جنت کا مزہ آرہا ہے" فضائل رمضان میں اس قصہ کو لکھ چکا ہوں۔

۳۔ صلح حدیبیہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ

۶ھ میں حضور اقدس ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے۔ کفارِ مکہ کو اسکی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلت سمجھے اس لئے مزاحمت کی اور حدیبیہ میں آپ کو رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ساتھ تھے جو حضور ﷺ پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے۔ لڑنے کو تیار ہو گئے۔ مگر حضور ﷺ نے مکہ والوں کی خاطر سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور صلح کی کوشش کی اور باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی لڑائی پر مستعدی اور بہادری کے حضور اکرم ﷺ نے کفار کی اس قدر رعایت فرمائی کہ ان کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح دب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار تھا مگر حضور ﷺ کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرمانبردار، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا۔ صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں ان شرطوں میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے مسلمان اس کو مکہ واپس کر دیں اور مسلمانوں میں سے خدانخواستہ اگر کوئی مرتد ہو کر چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے۔ یہ صلح نامہ ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا

کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جاکر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔اُن کے باپ سہیل نے جو اس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔انہوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مرتب بھی نہیں ہوا اس لئے ابھی پابندی کس بات کی مگر انہوں نے اصرار کیا۔ پھر حضورﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو۔ مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانا۔ابو جندل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اُٹھا چکا اب واپس کیا جارہا ہوں، اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے مگر حضورﷺ ارشاد سے واپس ہوئے حضورﷺ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے لئے راستہ نکالیں گے صلح نامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ کفار نے ان کو واپس بلانے کے لئے دو آدمی بھیجے حضور اقدسﷺ نے حسب وعدہ واپس فرمادیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہﷺ میں مسلمان ہو کر آیا آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔آپ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا۔ یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے تلوار نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا ہے یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالہ کر دی۔ اُنہوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے۔ بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے اب میرا نمبر ہے۔اس کی بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ پہنچے اور

عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو۔

وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش کوئی اس کا معین

ومددگار ہوتا وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چل

کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔ مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی جن کا قصہ پہلے گذرا

چھپ کر وہیں پہنچ گئے۔ اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ انکے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی جنگل میں

جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام، نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اس لئے ان لوگوں پر جو گذری ہو گی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جن ظالموں

کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگے تھے انکا ناطقہ بند کر دیا۔ جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے۔ حتیٰ کہ کفار مکہ

نے پریشان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سری

جماعت کو آپ اپنے پاس بلا لیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا

اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ حضور ﷺ کا والا نامہ ہاتھ میں

تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

ف: آدمی اگر اپنے دین پر پکا ہو، بشرطیکہ دین بھی سچا ہو تو بڑی سے بڑی طاقت اس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ

کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

۳۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ موذن رہے۔ شروع میں ایک کافر کے غلام تھے۔ اسلام لے آئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیئے جاتے تھے۔ امیہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا کہ وہ حرکت نہ کر سکیں اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مر جائیں اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں مگر وہ اس حالت میں بھی اَحد اَحد کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا کہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ عذاب دینے والے اکتا جاتے۔ کبھی ابو جہل کا نمبر آتا۔ کبھی امیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔

ف: چونکہ عرب کے بت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے اُن کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک ہی ایک کا ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے۔ بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا۔ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے" کی رٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور ﷺ کے دربار میں موذن بنے اور سفر حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی

زندگی کے باقی دن ہیں جہاد میں گزاردوں اسلئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن حسینi نے اذان کی فرمائش کی۔لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا۔عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔(اسد الغابہ)

۵۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو بعد میں بڑے زاہدوں اور بڑے علماء میں سے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کہ حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں۔مگر انہوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے ۔جب ان کو حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی پہلے پہل خبر پہنچی، تو انہوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کے واسطے مکہ بھیجا کہ جو شخص کہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔وہ مکہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جاکر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس مجمل بات سے تشفی نہ ہوئی تو خود سامان سفر کیا اور مکہ پہنچے اور سیدھے مسجد حرام میں گئے۔ حضور ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مصلحت کے خلاف سمجھا، شام تک اسی حال میں رہے۔شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مسافر ہے۔ مسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبر گیری،ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا ان حضرات کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔اس لئے ان کو اپنے گھر لے آئے۔میزبانی فرمائی

لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو، کیوں آئے، مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔ صبح کو پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر

اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت کسی سے کیا نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو گی کہ حضور ﷺ کے ساتھ دشمنی کے قصے

بہت مشہور تھے۔ آپ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ ان کو خیال ہوا ہو کہ صحیح حال معلوم نہیں ہو گا

اور بدگمانی کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی۔ دوسری دن شام کو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے

بظاہر جس۔ غرض کے لئے آیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی، اس لئے پھر اپنے گھر لے گئے اور رات کو کھلایا سلایا، مگر پوچھنے کی اس رات بھی

نوبت نہ آئی۔ تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم کس کام آئے ہو، کیا غرض ہے

تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اول ان کہ قسم اور عہد و پیمان دیے، اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں۔ اس کے بعد اپنی غرض

بتلائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور صبح کو جب میں جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا میں وہاں تک

پہنچا دوں گا۔ لیکن مخالفت کا زور ہے اس لئے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی

اندیشہ ہو تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتہ درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں جس کی وجہ سے

تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو۔ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پیچھے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں جا کر بات

چیت ہوئی، اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا چپکے

سے اپنی قوم میں چلے جاؤ، جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس کے

قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمہ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلا کے پڑھوں گا۔ چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے

گئے اور بلند آواز سے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا

کہ زخمی کر دیا مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہ اس وقت تک مسلمان بھی نہیں

ہوئے تھے ان کے اوپر بچانے کے لئے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو، یہ شخص قبیلہ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملک شام کے راستہ میں پڑتا ہے تمہاری تجارت وغیرہ سب ملک شام کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مر گیا تو شام کا جانا آنا بند ہو جائے گا۔ اس پر ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملک شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسے طرح انہوں نے جا کر باآواز بلند کلمہ پڑھا۔ اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے، اس لئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

ف: حضور ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود کہ اپنے اسلام کو چھپاؤ، ان کا یہ فعل حق کے اظہار کا ولولہ اور غلبہ تھا کہ جب یہ عین حق ہے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے جس سے ڈر کر چھپایا جائے۔ اور حضور ﷺ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمل نہ ہو، ورنہ حضور ﷺ کے حکم کے خلاف صحابہ کی یہ مجال ہی نہ تھی۔ چنانچہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آرہا ہے۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرما رہے تھے، اس لئے حضرت ابوذر نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور ﷺ کے اتباع کو ترجیح دی۔ یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی و دنیوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان ان قبضہ میں تھا کہ جو شخص تھی ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجاتا تھا، بڑی سے بڑی قوت تھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اشاعت سے ہٹا سکتا تھا۔

۷۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بھی انہی مبارک ہستیوں میں ہیں۔ جنہوں نے امتحان کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اللہ کے راستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ شروع ہی میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اس لئے بہت زمانہ تک تکلیفیں اٹھائیں۔ لوہے کی زرہ پہنا کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم ریت پر لٹا دیا جاتا جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل گیا تھا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے اس کو خبر پہنچی کہ یہ حضور اقدس ﷺ سے ملتے ہیں تو اس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرصہ کے بعد اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے ان تکالیف کی تفصیل پوچھی، جو ان کو پہنچائی گئیں انہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس پر رویا کرتے کہ خدانخواستہ ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خلاف عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ اس کے متعلق عرض کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت وڈر کی نماز تھی۔ میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں۔ دو ان میں سے قبول ہوئیں اور ایک کو انکار فرما دیا۔ میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری امت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے یہ قبول ہو گئی۔ دوسری یہ دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو ان کو بالکل مٹا دے یہ بھی قبول ہو گئی۔ تیسری یہ دعا کی کہ ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں یہ بات منظور نہیں ہوئی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا انتقال سینتیس سال کی عمر ہوا اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گذر ان کی قبر پر ہوا تو ارشاد فرمایا۔ اللہ خباب پر رحم فرمائیں اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گذار دی اور مصیبتیں

برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے اور گذارہ کے قابل مال پر قناعت کرے اور اپنے مولا کو راضی کرلے۔ (اسد الغابہ)

ف: حقیقت میں مولا کو راضی کرلینا انہی لوگوں کا حصہ تھا کہ ان کی زندگی کا ہر کام مولیٰ ہی کی رضا کے واسطے تھا۔

۷: حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اُن کے والدین کا ذکر

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں اُن کو عذاب دیا جاتا اور حضور اقدس ﷺ کا اس طرف گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت فرماتے۔ آخر ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پا گئے کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا اور ان کی والدہ حضرت سمیہ کی شرمگاہ میں ابوجہل ملعون نے ایک برچھا مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں مگر اسلام سے نہ ہٹیں حالانکہ بوڑھی تھیں ضعیف تھیں مگر اس بدنصیب نے کسی چیز کا بھی خیال نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کے لئے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہیے جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں تو قبا میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اول پتھر جمع کئے اور پھر مسجد بنائی۔ لڑائی نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مزے میں آکر کہنے لگے کہ اب جا کر دوستوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ملیں گے۔ اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا، اس نے دودھ سامنے کیا۔ اس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضور ﷺ سے سُنا کہ تو دنیا میں

سب سے آخری چیز دودھ پیے گا اس کے بعد شہید ہو گئے۔ اس وقت چورانوے برس کی عمر تھی۔ بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہے۔ (اسد الغابہ)

۸: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ صحابی کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں اتفاقیہ اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک نے دوسرے کی غرض معلوم کی تو ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضور ﷺ کے فیض سے مستفید ہونا دونوں کا مقصود تھا۔ اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد جو اس زمانہ میں اس قلیل اور کمزور جماعت کو پیش آتا تھا وہ پیش آیا۔ ہر طرح ستائے گئے، تکلیفیں پہنچائی گئیں، آخر تنگ آکر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جا کر آرام سے زندگی بسر کر لیں۔ اسلئے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوتا تھا اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے، کہ تکالیف سے نجات نہ پا سکے۔ چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا اور ایک جماعت ان کو پکڑنے کے لئے گئی۔ انہوں نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا تم لوگ مجھ تک نہیں آسکو گے اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا تو میں اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا۔ اس لئے اگر تم چاہو تو اپنی جان کے بدلہ میں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں جو مکہ میں ہے، اور دو باندیاں بھی ہیں وہ سب تم لے لو۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور اپنا مال دیکر جان چھڑائی۔ اسی بارہ میں آیت پاک { وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، وَ اللّٰهُ رَؤُفٌۢ بِالْعِبَادِ، } نازل ہوئی۔ (در منثور) ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں اور اللہ تعالی

بندوں پر مہربان ہیں۔ حضور ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ صورت دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ نفع کی تجارت کی۔ صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس وقت کھجور نوش فرما رہے تھے۔ اور میری آنکھ دکھ رہی تھی۔ میں بھی ساتھ کھانے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو تندرست ہے۔ حضور ﷺ یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہونے لگا تو ان ہی کو جنازہ کی نماز پڑھانے وصیت فرمائی تھی۔ (اسد الغابہ)

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے پاک نام پر آج مسلمانوں کو فخر ہے اور جن کے جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سو برس بعد تک کافروں کے دلوں میں خوف ہے۔ اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلے اور تکلیف پہنچانے میں بھی ممتاز تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے جو محمد ﷺ کو قتل کر دے۔ عمر نے کہا کہ میں کرونگا۔ لوگوں نے کہا کہ بیشک تم ہی کر سکتے ہو۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے اٹھے اور چل دیے۔ اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ زہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے اور بعضوں نے اور صاحب لکھے ہیں، ملے انہوں نے پوچھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد ﷺ کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ) سعد نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا۔ لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں

مسلمان ہوگیا ہوں، تلوار سنبھالی۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ جن کا ذکر نمبر ۶ پر گذرا، کواڑ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کواڑ کھلوائے۔ ان کی آواز سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔ حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا، جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کے اپنی جان کی دشمن تو بھی بد دین ہوگئی۔ اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی۔ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔ " کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا"۔ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو تب، یہ سننا تھا کہ انکی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی، اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو انکے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہوگئے بیشک ہم مسلمان ہوگئے ہیں جو تجھ سے ہو سکے تو کر لے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا۔ اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آرہی تھی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ یہ کیا ہے بہن نے کہا تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ہر چند اصرار کیا مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا۔ اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا اور {اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ } تک پڑھا تھا کہ حالت ہی بدل گئی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔ یہ الفاظ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ کل شب پنج شنبہ میں حضور

اقدس ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ عمر رضی اللہ عنہ (اور ابو جہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے) معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے (خصاص) ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کفار کے حوصلے پست ہونا شروع ہو گئے۔ مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکہ بلکہ سارا عرب، اس لئے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورا کر کے ان حضرات کو ناپید کرنے کی کوشش ہوتی تھی اور طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی تھیں تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور اُن کی خلافت رحمت تھی۔ (اسد الغابہ)

۱۰۔ مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب ابی طالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور انکے سردار فخر دو عالم ﷺ کو جب کفار سے تکلیف پہنچتی ہی رہیں اور آئے دن اُن میں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا تو حضور ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔ حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر انکے رحمدل اور منصف مزاج ہونے کی شہرت تھی۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مکہ والوں نے انکا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جاسکیں مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہنچ کر انکو یہ خبر ملی کہ مکہ والے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کو غلبہ ہو گیا۔ اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آگئے لیکن مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ

دشمنی اور تکلیفیں پہنچانے میں مصروف ہیں تو بڑی دقت ہوئی۔ ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہوگئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے اسکے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں بتلائی جاتی ہیں۔ متفرق طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے تو ان کو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف دے کر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا جو بادشاہ کیلئے بھی بہت سے تحفے تحائف لے کر گیا اور اسکے خواص اور پادریوں کیلئے بھی بہت سے ہدیے لے کر گیا۔ جا کر اول حکام اور پادریوں سے ملا اور ہدیے دیکر ان سے بادشاہ کے یہاں اپنی سفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اول بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور حکام نے تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہوگئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ جانتے ہیں اور آپ کے ملک میں آکر رہنے لگے۔ ہم کو شرفائے مکہ نے اور ان لوگوں کے باپ، چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں۔ آپ ان کو ہمارے سپرد کردیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر تحقیق ان کو حوالہ نہیں کر سکتا۔ اول ان سے بلا کر تحقیق کرلوں اگر یہ سچ ہوا تو حوالہ کردوں گا۔ چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا۔ مسلمان اول بہت پریشان ہوئے کیا کریں، مگر اللہ کے فضل نے مدد کی اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہیے اور صاف بات کہنا چاہیے۔ بادشاہ کے یہاں پہنچ کر سلام کیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آداب شاہی کے موافق سجدہ نہیں کیا۔ ان لوگوں نے کہا، ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت کئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ اللہ کو جانتے تھے نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے۔ پتھروں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برے کام کرتے تھے، رشتے ناتوں کو توڑتے تھے، ہم میں قوی

ضعیف کو ہلاک کر دیتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو، اسکی سچائی کو، اس کی امانت داری کو،

پرہیزگاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے

منع فرمایا، اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا۔ برے کاموں سے منع کیا۔ اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا۔ امانت داری کا حکم دیا۔

صلہ رحمی کا حکم کیا۔ پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ نماز، روزہ، صدقہ خیرات کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم کئے۔ زنہ

بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا اور اس قسم کے برے اعمال سے منع فرمایا۔ ہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی، ہم

اس پر ایمان لائے اور اسکے فرمان کی تعمیل کی۔ جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، اور ہم کو ہر طرح ستایا۔ ہم لوگ مجبور ہو کر تمہاری

پناہ میں اپنے نبی ﷺ کے ارشاد سے آئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا جو قرآن تمہارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں وہ کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت

جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی اول کی آیتیں پڑھیں جس کو سن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اسکے پادری بھی جو کثرت سے موجود

تھے سب کے سب اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ اسکے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ لے

لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں انکو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ بڑے

پریشان ہوئے کہ بڑی ذلت اٹھانا پڑی، آپس میں صلاح کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی

کاٹ دے۔ ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں چاہیے۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہوگئے مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں مگر اس نے نہ مانا۔

دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔

بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بلایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی، بہر

حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ پر انکی

شان میں نازل ہوا، کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اسکے رسول ہیں، اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں جس کو خدا نے کنواری اور پاک

مریم ں کی طرف ڈالا۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ پیچ پیچ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا تم جو چاہے کہو۔ اس کے بعد نجاشی نے انکے تحفے واپس کردیئے اور مسلمانوں سے کہا تم امن سے ہو، جو تمہیں ستائے اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کرادیا کہ جو شخص اُن کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ (خمیس) اسکی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذلت سے واپس آنا پڑا تو پھر کفار مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا ظاہر ہے۔ اسکے ساتھ ہی عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے کو اور بھی جلار کھا تھا اور ہر وقت اس وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے ملنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے۔ اس لئے سرداران مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد ﷺ کو قتل کر کیا جائے، لیکن قتل کر دینا بھی آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کہ بنو ہاشم بھی بڑے جتھے اور اونچے طبقے کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان شمار ہوتے تھے۔ لیکن جو مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی حضور ﷺ کو قتل کر دیا جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ اسلئے ان سب کفار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کیا جاوے۔ نہ انکو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے نہ ان سے ہوئی خرید وفروخت کرے نہ بات چیت کرے، نہ انکے گھر جائے، نہ انکے گھر آئے، نہ ان کو اپنے گھر میں آنے دے۔ اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک کہ وہ حضور ﷺ کو قتل کیلئے حوالہ نہ کردیں۔ یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا، بلکہ یکم محرم ۷ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا گیا، تاکہ اسکا احترام کرے اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے، اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے۔ نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان غلہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اوع عورتیں اور بچے بھوک سے بے تاب ہو کر روتے اور چلاتے اور

انکے اعزہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا، اور ان حضرات کی یہ مصیبت دور ہوئی۔ تین برس لا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظر بندی میں گذرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مشقتیں گذری ہوں گی وہ ظاہر ہے لیکن اسکے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نہایت ثابت قدمی کیساتھ اپنے دین پر جمے رہے بلکہ اسکی اشاعت فرماتے رہے۔

ف: یہ تکالیف اور مشقتیں ان لوگوں نے اٹھائی ہیں جن کے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو ان کا متبع بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں لیکن کسی وقت ذرا غور کر کے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا۔ کامیابی ہمیشہ کوشش اور سعی کے مناسب ہوتی ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش و آرام، بد دینی اور دنیا طلبی میں کافروں کے دوش بدوش چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ۔ مجھے خوف ہے اوبدوی کہ تو کعبہ نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ یہ راستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

دوسرا باب

اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا خوف اور ڈر دین کے ساتھ اس جانفشانی کے باوجود جس کے قصے ابھی گذرے اور دین کے لئے اپنی جان مال، آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ اللہ جل شانہ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا، اللہ کرے اس کا کچھ شمہ ہم سے سیہ کاروں کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے غور پر اس کے بھی چند قصے لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ آندھی کے وقت حضور ﷺ کا طریقہ

حضرت عائشہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتی ہیں کہ جب ابر، آندھی وغیرہ ہوتی تھی تو حضورِ اقدس ﷺ کے چہرہ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَ خَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا فِیْھَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ" (ترجمہ) یا اللہ اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو، بارش وغیرہ اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض کیلئے یہ بھیجی گئی اس کی بھلائی چاہتا ہوں، یا اللہ میں اس ہوا کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور جب بارش شروع ہو جاتی تو چہرہ پر انبساط شروع ہوتا میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سب لوگ جب ابر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتی ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے، مگر آپ ﷺ پر ایک گرانی محسوس ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عائشہ رحمتہ اللہ علیہ ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ قوم عاد کو ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا اور وہ ابر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس میں ہمارے لئے پانی برسایا جائے گا حالانکہ اس میں عذاب تھا۔ اللہ جل شانہ' کا ارشاد ہے۔ {فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِھِمْ۔ الایۃ} (الاحقاف ۲۴،۲۵) (ترجمہ) ان لوگوں نے (قوم عاد نے) جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں

برسنے والا نہیں بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (اور نہیں سے کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب لا) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کردے گی۔ چنانچہ وہ لوگ اس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے کچھ نہ دکھائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

ف: یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے جس کا سید الاولین والآخرین ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے ۔ خود پاک ذات کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان کو عذاب دیں۔ اس وعدہ خداوندی کے باوجود پھر حضور ﷺ کے خوف الٰہی کا یہ حال تھا کہ ابر اور آندھی کو دیکھ کر پچھلی قوموں کے عذاب یاد آجاتے تھے اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے متاثر ہونے کے، توبہ استغفار نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قسم قسم کی لغو تحقیقات میں پڑ جاتی ہیں۔

۲۔ اندھیرے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل

حضرت انس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا۔ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں انہوں نے فرمایا خدا کی پناہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا سی ہوا تیز ہو جاتی تھی تو ہم لوگ قیامت کے آجانے کے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے تھے ایک صحابی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی تو حضور ﷺ گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

ف: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ، مصیبت، بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے۔ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے آپ خود ہی اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

۳۔ سورج گرہن میں حضور ﷺ کا عمل

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا صحابہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر حضور ﷺ کیا عمل فرمائیں گے کیا کریں گے، اس کی تحقیق کی جائے جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے۔ نو عمر لڑکے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے ان کو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے تاکہ یہ دیکھیں کہ حضور ﷺ اس وقت کیا کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعت کسوف کی نماز پڑھی جو اتنی لانبی تھی کہ لوگ غش کھا کر گرنے لگے۔ نماز میں نبی اکرم ﷺ روتے تھے اور فرماتے تھے۔ اے رب کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے رہیں (سورہ انفال میں اللہ جل شانہ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے {وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ} پھر حضور نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے تو گھبرا کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔ میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو۔ جب کبھی ایسی حالت پیش آئے۔ نماز پڑھو، دعا مانگو، صدقہ کرو۔

۴۔ حضور ﷺ کا تمام رات روتے رہنا

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ} اے اللہ اگر آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بھی آپ زبردست قدرت والے ہیں تو معافی پر بھی قدرت ہے اور حکمت والے ہیں تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات {وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ} پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب ملے جلے رہے مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جاوے تھوڑا ہے کہ نامعلوم اپنا مجرموں میں ہوگا یا فرمانبرداروں میں۔

۵۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماع اہل سنت انبیاء کے علاوہ تمام دنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنت کے سب دروازوں سے ان کی پکار اور بلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے کاش میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھالیتے کبھی فرماتے کاش میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تو کس قدر لطف میں

ہے کہ کھاتا ہے پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ کاش ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تجھ جیسا ہوتا۔ ابو ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہدیا جو مجھے ناگوار گذرا۔ فوراً اُن کو خیال ہوا، مجھ سے فرمایا کہ تو بھی مجھے کہدے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ میں حضور ﷺ سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹی حضور ﷺ سے شکایت کریں۔ میں نے کہا تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں۔ یہ ابو بکر صدیق) رضی اللہ عنہ (ہیں اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول ﷺ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اور اس کی خفگی سے اللہ تعالیٰ شانہ' ناراض ہو جائیں گے تو ربیعہ رضی اللہ عنہ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے، اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیے۔ البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تمہیں معاف فرماویں۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا، کہ اول خود درخواست کی اور پھر حضور ﷺ کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں۔ اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا یا حساب کتاب بھی ہو گا۔

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے، کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے، کاش مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایک درہ مار دیا کہ جب میں اس کام کیلئے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آکر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا۔ وہ شخص چلا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور درہ اس کو دیکر فرمایا کہ بدلہ لے لو اس نے عرض کیا کو میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ گھر تشریف لائے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے عمر تو کمینہ تھا اللہ نے تجھ کو اونچا کیا، تو گمراہ تھا اللہ نے تجھ کو ہدایت کی، تو ذلیل تھا اللہ نے تجھے عزت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص آکر کہتا ہے کہ مجھے۔ ظلم کا بدلہ دلوا دے تو اسکو مارتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیگا۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ حرہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ آگ جلتے ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے جو رات ہو جانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا باہر ہی ٹھہر گیا۔ چلو اس کی خیر خبر لیں۔ رات کو حفاظت کا انتظام کریں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کیساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں، اور ایک دیگچی چولہے پر رکھی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لیکر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھدی ہے کہ ذرا ان کو تسلی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا اور میر اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہو گا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے بھلا عمر رضی اللہ عنہ کو تیرے حال کی کیا

خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے۔ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لیکر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لئے۔ غرض اس بوری کو خوب بھر لیا۔ اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھدے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں۔ آپؓ نے فرمایا نہیں میری کمر پر رکھدے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا اس کو میں یہ اٹھاؤں گا اسلئے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اسکا سوال ہو گا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری کو آپکی کمر پر رکھدیا۔ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اسکے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولہے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اسلمؓ کہتے ہیں کہ آپ کی گنجان داڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا، حتی کہ حریرہ سا تیار ہو گیا۔ اسکے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے نکال کر ان کو کھلایا۔ وہ سیر ہو کر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی اللہ تعالی تمہیں جزائے خیر دے، تم تھے اسکے مستحق کہ بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اسلئے بیٹھا تھا کہ میں نے انکو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں۔ ا۔ صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورہ یوسف پڑھ رہے تھے {اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ} پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی۔ تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

۷۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی نصیحت

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ظاہری بینائی جانے کے بعد میں ان کو لئے جا رہا تھا وہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ایک مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آ رہی تھی۔ فرمایا مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو۔ میں اسطرف لے گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ نے سلام کیا۔ ان لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں جن کو اسکے خوف نے چپ کر ار کھا ہے۔ حالانکہ نہ وہ عاجز ہیں نہ گونگے بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں سمجھ دار ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے اُن کی عقلوں کو اُڑا رکھا ہے۔ اُن کے دل اس وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چپ رہتیں ہیں اور جب اس حالت پر اُن کو پختگی میسر ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں تم لوگ اُن سے کہاں ہٹ گئے۔ وہبؒ کہتے ہیں کہ بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔ اُوپر کے قصے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل نسخہ بتلایا کہ اللہ کی

عظمت اور اسکی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اسکے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہو گا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں تو کیا مشکل ہے۔

۸۔ تبوک کے سفر میں قوم ثمود کی بستی پر گزر

غزوہ ٔ تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینے کو آرہا ہے۔ اس خبر پر ۵ رجب ۹ ھ پنجشنبہ کو نبی اکرم ﷺ اس کے مقبلے کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مو قابلہ بھی سخت تھا اس لیے حضور اقدس ﷺ نے صاف اعلان فرمادیا تھا کہ روم کے مقابلہ کے لئے چلنا ہے تیاری کر لی جائے اور حضور ﷺ نے خود اس کے لئے چندہ فرمانا شروع کیا۔ یہی لڑائی ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب اُن سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا تو فرمایا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے۔ جس کا قصہ ٔ باب ۶ میں آتا ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مہیا فرمادیا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا اس کے باوجود چونکہ عام طور سے تنگی تھی اس لئے دس آدمی ایک اُونٹ پر تھے کہ نوبت بنوبت اس پر سوار تھے۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام جیش العسرۃ (تنگی کا لشکر) بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا دارومدار تھا کہ سال بھر کی روزی جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔ ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور ﷺ

کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب سارے دقیہیں کہ ہر وقت مستقل روک تھی۔ بالخصوص سال بھر کی محنت پکے پکائے درختوں کا بے یارومددگار چھوڑ جانا مشکل تھا وہ ظاہر ہے مگر اس سب کے باوجود اللہ کے خوف ان حضرات پر غالب تھا۔اس لئے بجز منافقین اور معزورین جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے تھے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کے وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے جن بارے میں آیت { تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ } نازل ہوئے اور ہی حضرات ہم رکاب تھے البتہ تین حضرات بلا عزر کے شریک نہیں تھے جن کا قصہ آئندہ آرہا ہے۔راستہ میں قوم ثمود کی بستی پر گزر ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانک لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنھم کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظلموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گزرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گزرو کہ تم پر بھی خدانہ خواستہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔

ف: اللہ پیارا نبی ﷺ اور لاڈلا رسول ﷺ عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا گزرتا ہے اور اپنے جانثار دوستوں کو اس سخت مجبورے کے وقت میں بھی اس جاں نثاری کا ثبوت دیتے روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدانخواستہ وہ عذاب ان پر نازل ہو جائے۔ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آجائے تو اس کو سیر گاہ بناتے ہیں۔کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور روناتو در کنار رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔

۹۔ تبوک میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اور توبہ

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسی سے زیادہ تو منافق انصار میں سے تھے اور اتنے ہی بدوی لوگوں میں سے ۔ انکے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ دوسروں کو بھی (لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ) کہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو) حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔ ''جہنم کے آگ کی گرمی بہت سخت ہے'' ان کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسے عذر قوی کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔ ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ ، تیسرے مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ ۔ یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر نہیں ٹھہرے بلکہ خوشحالی ہی رہ جانے کا سبب بن گئی کعب رضی اللہ عنہ اپنی سرگزشت جو اس موقع پر پیش آئی مفصل سناتے ہیں جو آئندہ آرہی ہے۔

مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ کا باغ خعب پھل رہا تھا ان کو خیال ہوا اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا ہمیشہ میں لڑائیں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے اس لئے ٹھہر گئے۔ مگر جب تنبہ ہوا تو چونکہ ہی اس کا سبب ہوا تھا اس لئے سب کو اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔

ہلال رضی اللہ عنہ کے اہلو اعزہ جو کہیں گئے ہوئے تھے اتفاق سے اس موقع پر سب ہے جمع ہو گئے تھے ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے اس لئے ٹھہر گئے مگر تنبہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع کر لینا کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے وہ اپنی سرگزشت بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک لڑائی سے پہلے اتنا قوی اور مالدار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت تھا میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی دو اونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حضور اکرم ﷺ کی ہمیشہ عادتِ شریفہ یہ

تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا اس کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی اور سفر بھی دور کا تھا۔ ان کے علاوہ دشمنوں کے بہت بڑی جماعت تھی اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ لوگ تیاری کر لیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضورؐ کے ساتھ کہ رجسٹر میں ان کا نام لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں نہ پتہ چلے تو دشوار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے۔ میں بھی سامان سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا مگر شام ہو جاتا اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی۔ لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا رہا کہ مجھے وسعت حاصل ہے جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً ہو جائے گا حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ۔ مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا۔ پھر بھی یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں کر کے جا ملوں گا آج کل پر ٹالتا رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ کے وہاں پہنچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا۔ اس وقت میں کوشش بھی کی مگر سامان نہ ہو سکا۔ اب میں جب مدینہ طیبہ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا معذور تھے اور حضور ﷺ نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب رضی اللہ عنہ نظر نہیں پڑتے۔ کیا بات ہوئی۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو اپنے مال وجمال کی اکڑ نے روکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے بالکل سکوت فرمایا اور کچھ نہیں بولے۔ حتیٰ کہ چند روز میں میں نے واپسی کے خبر سنی تو مجھے رنج اور غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا دل میں جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور ﷺ کے غصے سے جان بچا لوں پھر کسے وقت معافی کی درخواست کر لوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھدار سے مشورہ کرتا رہا۔ مگر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی میں سچ سچ عرض کرنے کی ٹھان ہی لی۔ حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور وہا تھوڑی دیر

تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسب معمول حضور ﷺ تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ کے سپرد کو فرماتے رہے کہ اتنے میں میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کے اظہار میں تبسم فرمایا اور اعراض فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ آپ ﷺ نے اعراض فرما لیا۔ میں خدا کی قسم نہ تو منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردد ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ، میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا، کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں۔ میں عرض کیا یارسول اللہ اگر میں کسی دنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصہ سے معقول عذر کے ساتھ خلاصی پا لیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کر لوں تو قریب ہے کہ اللہ گ مجھ سے ناراض ہونگے اور اگر آپ سے صاف صاف عرض کر دوں تو آپ کو غصہ آئے گا لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عتاب کو زائل فرمادے گی۔ اس لئے سچ عرض کرتا ہوں کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وسعت والا میں اس زمانہ میں تھا کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ تمہارا فیصلہ حق فرمائیں گے۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تو نے اس پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر تو کوئی عذر کر کے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لئے کافی تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو۔ لوگوں نہ بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی اور یہی جواب ان کو ملا جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن امیہؓ رضی اللہ عنہ دوسرے مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ ۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدری (بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مسلم ہے۔ احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش

ہونے کی بشارتیں آئی ہیں) ہیں وہ بھی میرے شریک حال ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی

کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس

میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ جس میں اصلاح وصلاح کی قابلیت ہو اس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ممانعت

پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کرنے لگے۔ اور گویا دنیا ہی بدل گئی۔ حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے

تنگ معلوم ہونے لگی۔ سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ درو دیوار اوپرے بن گئے مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس

حال میں مر گیا تو حضور ﷺ جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدا نخواستہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ کے لئے

ایسا ہی رہوں گا نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے۔ غرض ہم

لوگوں نے پچاس (۵۰) دن اسی حال میں گذارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں

سب میں قوی تھا۔ چلتا پھرتا، بازار میں جاتا۔ نماز میں شریک ہوتا۔ مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر

ہو کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لب مبارک جواب کے لئے ہلے یا نہیں۔ نماز کے بعد حضور ﷺ

کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چرا کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ جب میں نماز میں مشغول

ہوتا تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ منہ پھیر اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی نہ بھاری ہو گیا تو میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

کی دیوار پر چڑھا۔ وہ میرے رشتہ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا۔

انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے اُن کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے

محبت ہے۔ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا وہ پھر بھی چپ ہی رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ

پھر قسم دیکر پوچھا انہوں نے کہا۔ اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ ۔ یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ ایک قبطی کو جو نصرانی تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سُنا کہ کوئی کعبؓ بن مالک کا پتہ بتادو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا وہ میرے پاس آیا اور غسان کے کر بادشاہ کا خط مجھے لا کر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ ہ میں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے تمہیں اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے تو ان کو بہکانے والے اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال دلایا ہی کرتے ہیں)۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اناللہ پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جا کر میں نے ایک تنور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گذرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد میرے پاس حضور ﷺ کا یہ ارشاد لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو میں نے دریافت کیا کہ کیا منشاء ہے اس کو طلاق دے دوں کہا نہیں بلکہ علیحدگی اختیار کر لو۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے چلی جا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائیں وہیں رہنا۔ ہلال بن اُمیّہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہو گا تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں کچھ کام کاج ان کا کر دیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مضائقہ نہیں لیکن صحبت نہ کریں۔ اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس چیز کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا آج تک ان کا وقت روتے ہی گذر رہا ہے۔ کعب

رضی اللہ عنہ ‌ا کہتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا وہ بوڑھے ہیں میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے اس لئے میں جرأت نہیں کرتا۔ غرض اس حال میں دس روز اور گذرے کہ ہم سے بات چیت میل جول چھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے۔ پچاسویں دن صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھکر میں نہایت غمگیں بیٹھا ہوا تھا۔ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سنکر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دُور ہو گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ پر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کی نذر کر دیئے۔ خدا کی قسم ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا اس وقت میری ملک میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوش خبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمت اقدس میں حاضر تھے مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے اور سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مبارکباد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یاد رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاکر سلام کیا تو چہرۂ انور کھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح سے چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جائداد جو ہے وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہو گی۔ کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کے کہ بہتر ہے خیبر کا حصہ رہنے دیا جائے۔ مجھے سچ ہی نے نجات دی۔ اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔

ف: یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِطاعت اور دین داری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ حضرات شریک رہے۔ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب ہوا۔ اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گذار دیئے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی صدقہ کر دیا اور کافروں نے طمع دلائی تو بجائے مشتعل ہونے کے اور زیادہ پشیمان ہوئے اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِعراض کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضعف اس درجہ تک پہنچ گیا کہ کافروں کو اس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنادیں۔ ہم لوگ بھی مسلمان ہیں اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی سامنے ہیں۔ بڑے سے بڑا حکم نماز ہی کا لے لو کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور جو کرتے ہیں وہ بھی کیسی کرتے ہیں۔ اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا کہ اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے۔

۱۰۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور قبر کی یاد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو۔ لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں، جب کوئی مومن قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے بہت اچھا کیا تو آ گیا۔ جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے تو ان سب میں مجھے زیادہ پسند تھا۔ آج جب تو میرے پاس آیا ہے تو میرے بہترین سلوک کو دیکھے گا اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مردے کی نظر پہنچ سکے وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنت کا کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اس کی آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے برا کیا جو تا

آیا۔ زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے ان سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی۔ آج جب تو میرے حوالہ ہوا ہے میر برتاؤ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اس طرح سے اس کو دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ستر اژدہے اس پر ایسے مسلط ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھونکار مارے تو اس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے۔ وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ف: اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے اور موت کا یاد کرنا اس کیلئے مفید ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا۔ کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے۔

۱۱۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا ڈر

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور ﷺ کی مجلس میں تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہو گئی۔ حضور ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر میں گھر آیا۔ بیوی بچے پاس آگئے اور کچھ دنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی جو حضور ﷺ کی مجلس میں تھی۔ دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے سے کس حال میں تھا اور اب کیا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو تو منافق ہو گیا۔ کہ ظاہر میں حضور ﷺ کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آکر یہ حالت ہو گئی۔ میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ سامنے سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہؓ تو منافق ہو گیا۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو ہر گز نہیں۔ میں نے صورت

بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہے اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور ﷺ کے پاس سے آجاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے اسلئے دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں تو منافق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کیا بات ہوئی۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ جنت دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جب خدمت اقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر بار کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں۔ لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہے۔ گاہے۔ گاہے۔ گاہے۔ (احیاء علوم الدین، مسلم)

ف: یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ کھانا پینا، بیوی بچے اور ان کی خیر خبر لینا یہ بھی ضروری چیزیں ہیں۔ اسلئے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔ نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی امید رکھنی چاہیے۔ یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندا ہی نہیں۔ نہ بیوی بچے نہ فکرِ معاش اور دنیوی قصے، اور انسان کے ساتھ چونکہ بشری ضروریات لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا۔ لیکن غور کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات سے کہ حضور ﷺ کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہ بعد میں نہیں رہتی۔ اس سے اپنے منافق ہونے کا ان کو فکر ہو گیا۔ "عشق است وہزار بدگمانی" عشق جس سے ہوتا ہے اس کے متعلق ہزار

طرح کی بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے۔ بیٹے سے محبت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے پھر دیکھئے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے اور یہ

جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا پھر خدا جانے کتنے خطوط اور تار پہنچیں گے۔

تکملہ

اللہ تعالٰی کے خوف کے متفرق احوال

قرآن شریف کی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جل شانہ سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا احاطہ تو دشوار ہے۔ لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ اللہ کا خوف ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بہت رویا کرتے تھے حتیٰ کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو، اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصہ آیا، تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا وہ پڑھ رہے تھے، جب فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ پر پہنچے تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے۔ روتے روتے دم گھٹنے لگا۔ اور کہہ رہے تھے ہائے جس دن آسمان پھٹ جاویں گے۔ (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا۔ ہائے میری بربادی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ ایک انصاری نے تہجد پڑھا اور پھر بیٹھ کر بہت روئے۔ کہتے تھے کہ اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔ جہنم کی آگ کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رلا دیا۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ رو رہے تھے۔ بیوی بھی ان کی حالت دیکھ کر رونے لگیں، پوچھا کہ

کیوں روتی ہو، کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم رو رہے ہو۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں

کہ جہنم پر تو گذرنا ہے ہی، نہ معلوم نجات ہو سکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا (قیام اللیل) زرارۃ بن اوفی ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ (الآیۃ) پر جب پہنچے تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا۔لوگ اٹھا کر گھر تک لائے۔ حضرت خلیدؒ ایک مرتبہ نماز

پڑھ رہے تھے کل نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ

اس کو پڑھو گے تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں۔ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب وَ رُدُّوْٓا

اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ پر پہنچے تو ایک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔اور اس قسم کے واقعات کثرت سے گذرے ہیں۔ حضرت

فضیل رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں کہتے ہے کہ اللہ کے خوف ہر خیر کی رہبری کرتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام

سے سب ہی واقف ہیں وہ کہتے ہے کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں اس کی وجہ سے مجھ ہر حکمت اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے جو

اس سے پہلے نہیں کھلا۔ حدیث میں آتا ہے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا اور دو بے فکریاں

نہیں دیتا۔ اگر دنیا میں مجھ سے بے فکر رہے تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا ہے تو آخرت میں بے فکری عطا

کرتا ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے اس کو ہر چیز ڈراتی

ہے۔یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آدمی بے چارہ اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے جتنا تنگ دستی سے ڈرتا ہے تو سیدھا جنت میں

جائے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد

ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو نکل کر چہرہ پر گرتا ہے اللہ تعالی

اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے

گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ میرے نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے

روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی امت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بے حساب کتاب جنت میں داخل ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ میرے آقا ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ جل شانہ اپنا سایہ عطا فرماویں گے۔ ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اسکی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو رو سکتا ہو وہ روئے اور جسکو رونا نہ آئے وہ رونے کی صورت ہی بنالے۔ محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ جب روتے تھے تو آنسوؤں کو اپنے ڈاڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی جہاں آنسو پہنچے ہوں۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کر لو آنکھ اچھی ہو جاوے گی کہ رویا نہ کرو۔ کہنے لگے آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روئے نہیں۔ یزید بن میسرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے۔ خوشی سے، جنون سے، درد سے، گھبراہٹ سے، دکھلاوے سے، نشہ سے، اور اللہ کے خوف سے۔ یہی ہے وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندر کو بجھا دیتا ہے۔ کعب بن احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار پر بہنے لگیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ برابر سونا صدقہ کروں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا ہے اور بہت ہی ضروری اور مفید۔ اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونا چاہیے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اسکی رحمت

کی امید میں بھی کمی نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سواسب کو جہنم میں داخل کرو، تو مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص سے سوسب کو جنت میں داخل کرلو، تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔ اسلئے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہیے۔ بالخصوص موت کے وقت میں امید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اللہ کیساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ جن سے اللہ تعالیٰ کیساتھ امید بڑھتی ہو۔

تیسرا باب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد و فقر کے بیان میں

اس بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ چیز حضور ﷺ کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی۔ اتنی کثرت سے حدیثوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ فقر مومن کا تحفہ ہے۔

ا۔ حضور ﷺ کا پہاڑوں کا سونا بنادینے سے انکار

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا میرے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جاوے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں تا کہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیرا شکر ادا کروں۔ تیری تعریف کروں۔ (ترمذی)

ف: یہ اس ذات مقدس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی امت میں ہونے پر فخر ہے۔ جس کی ہر بات ہمارے لئے قابل اتباع ہے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور ﷺ کے گذر کی حالت

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا تا کہ ان کو تنبیہ ہو اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہوگئی کہ حضور ﷺ نے سب کو طلاق دیدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر تھے۔ جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں۔ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور ﷺ کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کرو۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے مگر شدت رنج سے بیٹھا نہ گیا تو حضور ﷺ جس جگہ تشریف فرما تھے اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رباح رضی اللہ عنہؓ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دوباری کے زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اندر حاضری کی اجازت چاہی۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اجازت مانگی مگر حضور ﷺ نے سکوت فرمایا کوئی

جواب نہ دیا حضرت رباح رضی اللہ عنہ آکر یہی جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر منبر کے پاس آبیٹھے مگر بیٹھا نہ گیا۔ تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اجازت چاہی۔ اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بے تابی سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے۔ ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے تو حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریے کے نشانات بھی ابھر آئے ہیں۔ خوبصورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے میں نے سلام کیا اور سب سے اول تو یہ پوچھا۔ کیا آپ ﷺ نے بیویوں کا طلاق دیدی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد میں دلبستگی کے طور پر حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے مگر جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں۔ ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے متاثر ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی جس سے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر تبسم کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا۔ تین چمڑے بغیر دباغت دئے ہوئے اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ادھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے سوا کچھ نہ ملا۔ میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے کہ آپ کی امت پر وسعت ہو۔ یہ روم اور فارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ ان پر تو یہ وسعت، یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت نبی

اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمر کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ سنو، آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے۔ ان کفار کو طیبات اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔

ف: یہ دین اور دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول ﷺ کا طرز عمل ہے کہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں۔ گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہو گیا اس پر ایک شخص نے دعا کی درخواست کی تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا۔ فرمایا کہ ایک چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا۔ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھادوں تو زیادہ نرم ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور ﷺ نے صبح کو فرمایا کہ رات کو کیا بچھا دیا تھا۔ ہم نے عرض کیا، کہ وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا اسکی نرمی رات کو اٹھنے میں مانع بنتی ہے۔ (شمائل ترمذی)

ف: اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور روئیں دار گدوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وسعت فرما رکھی ہے اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک میں حالت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے کیا کہنے ابوہریرہ کے آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے۔ حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضور اقدس ﷺ کے منبر اور حجرہ کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی۔

ف: یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا، بیہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے۔ کئی کئی وقت فاقہ میں گذر جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بعد اللہ نے فتوحات فرمائیں تو ان پر تونگری آئی۔ اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے۔ انکے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتیں اس پر تسبیح پڑھا کرتے۔ جب وہ ساری تھیلی خالی ہو جاتی تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصے کر لیتے اور نمبروار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی معمول تھا کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے۔ ایک بجے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے لئے اٹھتے تو تقاضا فرما کر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سلا دیتے اور خود تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل میرے تائے صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تہجد کے لئے جگا دیتے اور خود اتباع سنت میں آرام فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی اتِّبَاعَھُمْ

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسب معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کیلئے تشریف لے چلے۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے پوچھا کہاں چلے۔ فرمایا، بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہو گا۔ فرمایا پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ عرض کیا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جن کو حضور ﷺ نے امین ہونے کا لقب دیا ہے ان کے پاس چلیں وہ آپ کیلئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک مہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا نہ کم نہ زیادہ، وہ مقرر فرما دیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کے میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم نے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جاوے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت فرما دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کیے۔ آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار میں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے۔ اسلئے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کیلئے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ سے کم کر دیا۔

ف: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ تجارت میرے اہل و عیال کو ناکافی نہیں تھا۔ لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے اس لئے بیت المال سے میرے اہل و عیال کا کھانا مقرر ہو گا۔ اس کے

باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہونے لگا تو حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کر دی جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اوڑھنا، ایک بچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے!(فتح الباری)

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ مدینہ منورہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دی۔ اس لئے اب گذارہ کی کیا صورت ہو؟ تو لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ توسط کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کا کافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسط مقدار تجویز ہو گئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شریک تھے یہ ذکر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے۔ مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسلئے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی وجہ ام المومنین بھی تھی ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت اور رائے معلوم

کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔ حضرت حفصہ رحمتہ اللہ علیہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام دریافت کیے۔ حضرت حفصہ رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا۔ یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تو ہی بتا کہ حضور ﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جن کو حضور ﷺ جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کون سا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا۔ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی۔ ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ الٹ کر اس کو ایک مرتبہ چپڑ دیا تو حضور ﷺ خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ فرمایا کونسا بستر عمدہ ہوتا تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے۔ عرض کیا ایک موٹا سا کپڑا تھا گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا حفصہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ حضور ﷺ نے اپنے طرز عمل سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا۔ اور امید (آخرت) پر کفایت فرمائی۔ میں حضور ﷺ کا اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دو ساتھی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے۔ پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر تیسرا شخص نے چلنا شروع کیا اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا (اشہر)

ف: یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے، کہ کس زاہدانہ زندگی کے ساتھ عمر گذاردی۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو تشریف لاکر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں (اشہر)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرمارہے تھے غلام نے آکر عرض کیا کہ عتبہ بن ابی فرقد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے اندر آجانے کی اجازت فرمائی اور کھانے کی تواضع فرمائی۔ وہ شریک ہوگئے تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا سب مسلمان میدہ کھا سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ چھنے سب تو نہیں کھا سکتے۔ فرمایا کہ افسوس تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا میں ہی ختم کردوں۔ (اسد الغابہ)

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں واقعات ان حضرات کرام کے ہیں۔ ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ قویٰ ضعیف ہیں جس کی وجہ سے تحمل بھی ان کا اس زمانہ میں دشوار ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں مشائخ تصوف ایسے مجاہدوں کی اجازت نہیں دیتے، جن سے ضعف پیدا ہو کہ قوتیں پہلے سے ضعیف ہیں۔ ان حضرات کو اللہ جل شانہ نے قوتیں بھی عطا فرمائی تھیں البتہ یہ ضروری ہے کہ اتباع کی خواہش اور تمنا ضرور رکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذات دنیا میں بڑھتے جاتے ہیں

اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وسعت میں ہے۔

۲۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کیلئے ایک مشرک سے قرض لینا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھیں۔ حضر بلال نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور ﷺ مجھے ارشاد فرمادیتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرمادیتے۔ میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا پہنادیتا۔ یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے تو کسی سے قرض نہ لیا کر۔ جب ضرورت ہوا کرے مجھ سے ہی قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا۔ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا۔ ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کہنے کیلئے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا، او حبشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہے اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چراتا پھریگا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہیے تھا وہی گذرا۔ تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعض حضور ﷺ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں وہ ذلیل کرے گا اس لئے اگر اجازت

ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤ

ں گا۔ یہ عرض کر کے میں گھر آیا۔ تلوار لی، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا۔ یہ ہی سامان سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا صبح کے قریب

کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر

خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا، خوش کی بات سناؤں کہ اللہ تعالی نے

تیرے قرضہ کی بے باقی کا انتظام فرمادیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی، فدک کے رئیس نے یہ نذارنہ مجھے

بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ حضور ﷺ اتنے مسجد میں

انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آکر عرض کیا کہ حضور اللہ کا شکر ہے حق تعالی نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا

اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے۔ میں نے عرض کیا

کہ جی ہا کچھ باقی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے۔ میں گھر میں بھی اس وقت تک

نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گذر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ

وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے ضرورت مند آئے نہیں۔ تو حضور ﷺ نے مسجد ہی میں آرام

فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہو جی کچھ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت

عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدا نخواستہ موت

آجائے اور کچھ حصہ مال کا آپ ﷺ کی ملک میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے (بذل)

ف: اللہ والوں کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ ان کی ملک میں مال ومتاع کچھ نہ رہے پھر حضور اقدس ﷺ کا تو کیا پوچھنا

جو سارے نبیوں کے سردار، سارے اولیاء کے سرتاج، حضور ﷺ کو اس کی خواہش کیوں نہ ہوتی، کہ میں دنیا سے بالکل فارغ ہو

جاؤں۔ میں معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ معمول تھا کہ جب

نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہو جاتی تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرما دیتے اور وصال سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے

خادم خاص حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب مدظلہ کو دے دیئے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مستعار لے کر پہن لیا

کروں گا اور اپنے والد صاحب (یعنی حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو میں نے بارہا دیکھا کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ

پاس ہوتا وہ کسی قرض خواہ کو دیدیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ یہ جھگڑے کی چیز میں رات کو اپنے پاس نہیں

رکھتا۔ اس نوع کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو۔ مشائخ کے الوان مختلف ہوتے ہیں

اور چمن کے پھولوں کی صورت سیرت ممتاز ہوتی ہے۔

۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت

تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں بھوک کی وجہ سے جگر کو زمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا

ور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں بیٹھ گیا جہاں کو ان حضرات کا راستہ تھا۔ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

گذرے میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لے جائیں گے اور پھر عادت شریفہ

کے موافق جو موجود ہو گا اس میں تواضع ہی فرمائیں گے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم

ہو گا کہ وہاں کچھ نہیں) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی پھر نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے اور ارشاد فرمایا، ابوہریرہ میرے ساتھ آؤ میں ساتھ ہو گیا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لے گئے میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لیکر حاضر ہوا۔ گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا جو خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے۔ عرض کیا فلاں جگہ سے حضور ﷺ کیلئے ہدیہ میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوہریرہ جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے۔ وہ یہ وہ لوگ تھے جن کے نہ گھر تھا نہ در نہ ٹھکانہ۔ نہ کھانے کا کوئی مستقل انتظام۔ ان حضرت کی مقدار کم و پیش ہوتی رہتی تھی مگر اس قصہ کے وقت ستر تھی حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ان میں سے دو دو چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنا دیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا تو ان لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے اور کہیں سے ہدیہ آتا تو ان کے ساتھ حضور اقدس ﷺ خود بھی اس میں شرکت فرماتے۔ حضور ﷺ نے بلانے کا حکم دیا مجھے گراں تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہے جس پر سب کو بلا لاؤں۔ سب کا کیا بھلا ہو گا۔ ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہو گا اور پھر بلانے کے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہو گا اس لئے نمبر بھی اخیر میں آئے گا جس میں بچے گا بھی نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی اطاعت کے بغیر چارہ ہی کیا تھا۔ میں گیا اور سب کو بلا لایا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لے ان کو پلا۔ میں ایک ایک شخص کو پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا۔ اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہو گئے۔ تو حضور ﷺ نے پیالہ دست مبارک میں لے کر مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا پھر فرمایا کہ بس اب تو میں اور تو ہی باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بیشک۔ فرمایا کہ لے پی۔ میں نے پیا۔ ارشاد فرمایا اور پی۔ میں نے اور پیا۔ بالآخر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں نہیں پی سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا۔

۸۔ حضور ﷺ کا صحابہ سے دو شخصوں کے بارے میں سوال

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گذرا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیارائے ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ شریف لوگوں میں ہے۔ واللہ اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کاپیام دے دے تو قبول کیاجائے۔ کسی کی سفارش کردے تومانی جائے۔ حضور ﷺ سن کرخاموش ہوگئے۔اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گذرے حضور ﷺ نے ان کے متعلق بھی سوال کیا۔لوگوں نے کہایارسول اللہ ایک مسلمان فقیر ہے۔ کہیں منگنی کرے تو بیاہانہ جائے۔ کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیابھر جائے توان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ایک مسلمان فقیر جس کی دنیامیں کوئی بھی وقعت نہ ہو،اس کی بات کہیں بھی نہ سنی جاتی ہو۔اللہ کے نزدیک سینکڑوں ان شرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیامیں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو۔اور ہر شخص ان کی بات سننے اور ماننے کو تیار ہو۔ لیکن اللہ کے یہاں اسکی کوئی وقعت نہ ہو۔دنیاکا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیامیں اللہ کانام لینے والانہ رہے گا، قیامت آجائے گی اور دنیاکاوجود ہی ختم ہوجائے گا۔اللہ کے پاک نام کی یہ برکت ہے کہ یہ دنیاکاسارانظام قائم ہے۔

۹۔ حضور ﷺ سے محبت کرنیوالے پر فقر کی دوڑ

ایک صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا دیکھ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب تین مرتبہ یہ سوال وجواب ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے کہ جیسا کہ پانی کی رَو نچان کی طرف دوڑتی ہے۔

ف: یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اکثر فقر و فاقہ میں رہے ہی، اکابر محدثین، اکابر صوفیاء، اکابر فقہاء بھی تونگری میں زیادہ نہیں رہے۔

۱۰۔ سریۃ العنبر میں فقر کی حالت

نبی اکرم ﷺ نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر بنائے گئے تھے، بھیجا۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی ان کو دیا۔ پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا اور توشے ختم ہو گیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے جو اس قافلہ میں تھے، مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کئے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے۔ مگر تیسرے دن امیر قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہو گئیں تو واپسی بھی مشکل ہو جائے گی۔ ذبح کی ممانعت کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لیں اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرمادیا کرتے جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک کیلئے یہی کھانا تھا۔ کہنے کو مختصر سی بات ہے مگر لڑائی کے موقع پر جب قوت اور طاقت کی بھی ضرورت ہو ایک کھجور پر دن بھر گذار دینا دل وجگر کی بات ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ قصہ لوگوں کو حضور ﷺ کے بعد سنایا تو ایک شاگرد نے عرض

کیا کہ حضرت ایک کھجور کیا کام دیتی ہوگی۔ آپ نے فرمایا اس کی قدر جب معلوم ہوئی جب وہ بھی نہ رہی کہ اب بجز فاقہ کے کچھ نہ تھا۔ درخت کے خشک پتے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھالیتے۔ مجبوری سب کچھ کرادیتی ہے اور ہر تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ کے یہاں سے سہولت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مشقتوں کے بعد سمندر میں سے ایک مچھلی ان لوگوں کو پہنچائی جس کو عنبر کہتے ہیں۔ اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہنچنے تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے سفر کا مفصل قصہ سنایا گیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا ایک رزق تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

ف: مشقت اور تکالیف اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ والوں کو خاص طور پر پیش آتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاں کو سب سے زیادہ مشقت میں رکھا جاتا ہے۔ پھر جو سب سے افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو بقیہ میں افضل ہوں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتی ہے اور ہر مشقت کے بعد اللہ کی طرف سے اس کے لطف و فضل سے سہولت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کیا کریں کہ ہمارے بڑوں پر کیا کیا گذر چکا اور یہ سب دین ہی کی خاطر تھا۔ اس دین کے پھیلانے میں جس کو آج ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں ان حضرات نے فاقے کئے، پتے کھائے، اپنے خون بہائے اور اس کو پھیلایا، جس کو ہم آج باقی بھی نہیں رکھ سکتے۔

چوتھا باب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر عادت، ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو چنا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ جل شانہ نے اپنے لاڈلے اور محبوب رسول ﷺ کی مصاحبت کیلئے اس جماعت کو چنا اور چھانٹا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں بنی آدم کے بہترین قرن اور زمانہ میں بھیجا گیا۔ (شفا) اس لیے ہر اعتبار سے یہ زمانہ کے بہترین آدمی حضور ﷺ کی صحبت میں رکھے گئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت

حضور اقدس ﷺ ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت کا غلام کھانے کی درخواست لے کر پہنچا۔ حضور ﷺ خدام سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ لقمہ چبا رہے ہیں نگلا نہیں جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت مالک کی بغیر اجازت لے لیا گیا۔ اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ریوڑ میں بکری خریدنے آدمی بھیجا تھا، وہاں ملی نہیں۔ پڑوسی نے بکری خریدی تھی۔ میں نے اس کو پاس قیمت سے لینے کو بھیجا وہ تو ملے نہیں۔ ان کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد)

ف: حضور ﷺ کی علو شان کے مقابلہ میں ایک مشتبہ چیز کا گلے میں اٹک جانا کوئی ایسی اہم بات نہیں کہ حضور ﷺ کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آ جاتے ہیں۔

۲۔ حضور ﷺ کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ تمام رات جاگتے رہے اور کروٹیں بدلتے رہے۔ ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے عرض کیا یارسول اللہ آج نیند نہیں آتی۔ ارشاد فرمایا کہ کھجور پڑی ہوئی تھی، میں نے اٹھا کر کھالی تھی کہ ضائع نہ ہو۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

ف: اقرب یہی ہے کہ حضور ﷺ کی اپنی ہی ہوگی۔ مگر چونکہ صدقہ کا مال بھی حضور ﷺ کے یہاں آتا تھا اس شبہ کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدانخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو۔ یہ تو آقا کی حال ہے کہ محض شبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی۔ اب غلاموں کو حال دیکھو کہ رشوت، سود چوری، ڈاکہ ہر قسم کا ناجائز مال کس سرخروئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامان محمد ﷺ شمار کرتے ہیں۔

۳۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا۔ جو غلہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے کمایا؟ آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ۔ عرض کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا، اور ان پر منتر پڑھا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گذر ادھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہو رہی تھی انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی

شدت کی حالت میں کھایا گیا نہ نکلا۔ کسی غلام پر کوئی تعداد معین کردی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوارہ میں دیدیا کرو باقی جو کماؤ، وہ تمہارا،

یہ غلہ کہلاتا ہے یہ جائز ہے اور اس طرح صحابہ کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کرلیا جاتا تھا۔

نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہوسکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ نکلا۔

کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر

میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے آگ

اس کیلئے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پاجائے۔ (کنز العمال)

ف: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی۔

تھوڑا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانہ جاہلیت میں کوئی کہانت

یعنی غیب کی بات نجومیوں کے طور پر کسی کو بتلائی تھی وہ اتفاق سے صحیح ہوگئی۔ ان لوگوں نے اس غلام کو کچھ دیا جس کو انہوں نے اپنی

مقررہ رقم میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لاکر دیے دیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کیا۔

ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال ہیں۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال

احتیاط نے اس مشتبہ مال کو بھی گوارا نہ کیا۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزا کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا۔ جن صاحب نے پلایا تھا ان سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے، کہاں سے آیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے کہ میں وہاں گیا تو ان لوگوں نے دودھ نکالا جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرمادیا۔ (موطا امام مالک)

ف: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مشتبہ مال بھی بدن کا جز نہ بنے چہ جائے کہ بالکل حرام جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہو گیا۔

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں مگر عمر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا کہ دقت ہو گی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کی حرج ہو گا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اس لئے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دیدیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں۔ انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقعہ ہی نہ دیں۔ {کتاب الاموال}

ف: غور کرنے کی بات ہے کہ اول تو وہ مقدار ہی کیا تھی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لی۔ اس کے بعد لینا

بھی اہل الرائے کے اصرار پر تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہو سکتی تھی اس کا اندازہ قصہ

۴ باب ۳ سے معلوم ہو گیا کہ بیوی نے تنگی اٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام میٹھے کیلئے جمع کیے تو ان کو بیت المال میں جمع فرمایا اور اتنی مقدار

مستقل کم کر دی۔ اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا اس کا بھی معاوضہ داخل کر دیا۔

۶۔ حضرت علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک کرنا

علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا ایک مرتبہ میں نے کچھ

لکھا اور اس کو خشک کرنے لئے مٹی کی ضرورہوئی کچی دیوار تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں۔ پھر

خیال آیا کہ مکان کرایے کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا نہ کہ مٹی لینے کے واسطے) مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اتنی سی مٹی میں

کیا مضائقہ ہے معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرما رہے ہیں کہ کل

قیامت کو معلوم ہو گا یہ کہنا کہ معمول مٹی کیا چیز ہے۔

ف: "کل معلوم ہو گا" کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقوٰی کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ کمال درجہ یہ یقینا تھا کہ اس سے بھی

احتراز کیا جاتا اگرچہ عرفاً معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ (احیاء)

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر

کمیل رضی اللہ عنہ ایک شخص ہیں کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک مرتبہ جارہا تھا۔ وہ جنگل میں پہنچے پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے کیا حال ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہو گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے۔ یہ تو ہمارے خبر ہے کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا، اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔ (منتخب کنز)

ف: یعنی آدمی جو کچھ اچھا برا کام کرتا ہے وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہیں جیسا کہ صندوق میں متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں جو میت کی جی بہلانے اور انس پیدا کرنے کیلئے رہتا ہے اور اس کی دلداری کرتا ہے اور برے اعمال بری صورت میں بدبو دار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اذیت کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں۔ اس کا مال (جیسا کہ عرب میں دستور تھا) اس کے رشتہ دار اور اعمال۔ دو چیزیں، مال اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آ جاتے ہیں، عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل و عیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے۔ صحابہ کے دریافت فرمانے پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے اس وقت ایک بھائی کو وہ بلائے اور پوچھے کہ بھائی تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ تیری تیمارداری کروں گا، علاج کروں گا، ہر قسم کی خدمت کروں گا اور جب تو مر جائے گا تو نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا اور

دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کرونگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھائی تو اہل وعیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میرے تیرا واسطہ زندگی کا ہے۔ جب تو مر جاوے گا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا۔ یہ بھائی مال ہے۔ پھر تیسرے بھائی کو بلا کر پوچھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں، جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا۔ یہ بھائی عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اب بتلاؤ کون سا بھائی کارآمد ہوا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہی بھائی کارآمد ہے۔ پہلے دونوں تو بے فائدہ ہی رہے۔ (ایضاً)

۸۔ حضور ﷺ کا ارشاد، جس کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ خود پاک ہیں اور پاک مال ہی قبول فرماتے ہیں مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔

"اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں" دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ "اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ"۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا (اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے) اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غبار آلودہ کپڑوں والا (یعنی پریشان حال) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے اللہ (اے اللہ، اے اللہ، لیکن کھانا بھی حرام ہے، پینا بھی حرام ہے لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا) تو اس کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ف: لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اللہ جل شانہ اپنے فضل سے کبھی کافر کی دعا بھی قبول فرمالیتے ہیں چہ جائیکہ فاسق کی۔ لیکن متقی کی دعا اصل چیز ہے اسی لئے متقیوں سے دعا کی تمنا کی جاتی ہے جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں ان کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز کریں اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دعاء قبول نہ ہو۔

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مشک تولنے سے انکار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مشک آیا۔ ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کردیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت عاتکہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا میں تول دوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سن کر سکوت فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تاکہ میں تقسیم کردیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا۔ تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیرے اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

ف: یہ کمال احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محل تہمت سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھ تو لگے گا ہی۔ اس لئے اس کے جواز میں کوئی تردد نہ تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کیلئے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مشک تولا جارہا تھا تو انہوں نے اپنی ناک بند فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔ (احیاء علوم الدین)

ف: یہ ہے احتیاط اُن صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی اور ہمارے بڑوں کی، پیشواؤں کی۔

۱۰۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اسکی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان حاکم کو معزول کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو حجاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ برا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو نے اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا۔ (احیاء(

ف: مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ جو شخص متقیوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر غیر معمولی اور غیر محسوس طریقہ سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر فسق کا اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بُری صحبت سے روکا جاتا ہے۔ آدمی تو در کنار جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑے والوں میں ہوتی ہے اور مسکنت بکری والوں میں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مشک نہ بھی ملے تب بھی اسکی خوشبو سے دماغ کی فرحت ہو گی اور برے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔

پانچواں باب

نماز کے شغف اور شوق اور اس میں خشوع و خضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوتا ہے۔ حضور

ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے اس کے علاوہ اور بہت سے ارشادات اس بارہ میں وارد ہے جو

میرے ایک دوسرے (رسالہ فضائل نماز) میں مذکور ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے۔ میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے اور

کوئی شخص میرا قرب اس چیز کی نسبت زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جو میں اس پر فرض کی ہے۔ یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ

سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب

بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے اور اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس

سے وہ کسی چیز کو پکڑے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور کسی چیز سے

پناہ چاہتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں۔

ف: آنکھ کان بن جانے کا مطلب ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا، سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے اور کوئی بات

بھی میری خلاف مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت

نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں۔

۲۔ حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سنا دیں۔ حضرت عائشہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی کونسی بات عجیب نہ تھی۔ ہر بات عجیب ہی تھی۔ ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے۔ پھر فرمانے لگے۔ لے چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کیا یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے۔ پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ کیا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھے اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے آکر صبح کی نماز کیلئے آواز دی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ اتنے روئے حالانکہ آپ معصوم ہیں اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں تو بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گذار نہ بنوں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آل عمران کا اخیر رکوع (اقامۃ الحجہ)

یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ بخشے بخشائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری(

۳۔ حضور ﷺ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا

حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورﷺ کے ہم رکاب تھا۔ حضورﷺ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ میں بھی حضورﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ حضورﷺ نے سورہ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور جو آیت رحمت کی اتی حضور اس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے۔ سورۃ کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی، اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَ الْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَۃِ پڑھتے جاتے تھے پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورہ ال عمران پڑھی اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک سورۃ پڑھتے رہے۔ اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پارے ہوتے ہیں۔ یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہو گی جن میں ہر آیت عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا لمبا رکوع اور سجدہ تھا۔ حضرت حدیفہؓ بھی اپنا ایک قصہ حضورﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں سورہ بقرہ سے لے کر سورہ مائدہ کے ختم تک پڑھیں۔

ف: ان چار سورتوں کے سوا چھ پارے ہوئے ہیں جو حضورﷺ نے چار رکعتوں میں پڑھے اور حضور اکرمﷺ کی عادت شریفہ تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی جیسا کہ اکثر احادیث میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آیت رحمت اور آیت عذاب پر ٹھہرنا اور دعا مانگنا پھر اتنا ہی لمبا رکوع سجدہ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہو گا۔ بعض مرتبہ حضورﷺ نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ تین سورتیں پڑھیں جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔ نبی اکرمﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِی اِتِّبَاعَہٗ۔

۳۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت ابن زبیرؓ و حضرت علیؓ وغیرہ کی نمازوں کی حالات

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حال نقل کرتے

ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے۔(تاریخ الخلفاء) یعنی بالکل حرکت نہیں

ہوتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انہوں نے حضور

ﷺ سے یعنی جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبد اللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہ۔ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ

کاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آ کر کمر پر بیٹھ

جاتیں۔ بعض مرتبہ اتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے۔ بعض اوقات سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ پوری رات گذر

جاتی۔ جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اڑا، اور

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حلق اور داڑھی کے درمیان کو گذار۔ مگر نہ ان کو کوئی انتشار ہوا نہ رکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ

نماز پڑھ رہے تھے بیٹا جس کا نام ہاشم تھا پاس سو رہا تھا۔ چھت میں سے ایک سانپ گرا، اور بچہ پر لپٹ گیا۔ وہ چلایا، گھر والے سب

دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا۔ اس سانپ کو مارا، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے

لگے۔ کچھ شور کی سی آواز آئی تھی کیا تھا۔ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم کرے بچہ کی تو جان بھی گئی تھی تمہیں پتے ہی نہ چلا۔ فرمانے لگے

تیرا ناس ہو اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی (ہدایہ وغیرہ) حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ میں جب ان کے خنجر مارا

گیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کیلئے متنبہ

کئے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے۔ حضرت علیؓ کی عادت شریفہ یہ تھی جب نماز کا وقت آ جاتا

تو بدن میں کپکپی آجاتی چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جل شانہ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔ خلف بن ایوب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں نماز میں مکھیاں دق نہیں کرتیں۔ فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے صبر و تحمل پر اکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارے میں ہلا تک نہیں۔ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کر جائوں۔ مسلم بن یسار رحمتہ اللہ علیہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو مجھے تمہاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا ایک مرتبہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گرا۔ لوگ اس کی وجہ سے دوڑے وہاں جمع ہوئے۔ شور و شغب ہوا مگر ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ان کی نماز کی کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہنچ کر جہاں نماز پڑھوں گا تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصوں میں سکون پیدا ہو جائے۔ پھر نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اس طرح کہ بیت اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں اور پل صراط کو پائوں کے نیچے، جنت کو دائیں طرف اور جہنم کو بائیں طرف اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے۔ اس کے بعد پورے خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہوں اور اس کے بعد امید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نامعلوم قبول ہوئی یا نہیں۔ (احیاء علوم الدین(

۵۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا

نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے شب کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کرے گا۔ ایک مہاجری اور ایک انصاری حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

نے عرض کیا کہ ہم دونوں کریں گے حضور نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا بتادی کہ اس پر دونوں کا قیام کرو۔ دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر انصاری نے مہاجری سے کہا کہ رات کو دو حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ میں آپ سورہیں میں جاگتا ہوں۔ دوسرے حصہ میں آپ جاگیں میں سوتا ہوں کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے۔ اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگا لے۔ رات کا پہلا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجری سو گئے انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا اور ہر تیر ان کے بدن میں گھستا رہا اور یہ ہاتھ سے اسکو بدن سے نکال کر پھینکتے رہے اس کے بعد اطمینان سے رکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نامعلوم کتنے ہوں۔ مگر ساتھی نے جب اٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا۔ مہاجری نے فرمایا سبحان اللہ تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگا لیا۔ انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورۃ (سورہ کہف) شروع کر رکھی تھی میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں۔ اب بھی مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بار بار تیر لگنے سے مر جاؤں اور حضور ﷺ نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت ہو جائے۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مر جاتا مگر سورۃ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔ (بیہقی، ابوداؤد)

ف: یہ تھی ان حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے مگر نماز کے لطف میں فرق نہ پڑے۔ ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے۔ بھڑ کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ ممکن ہے کہ ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضور ﷺ اس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

۲۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک پرندہ اڑا اور چونکہ باغ گنجان تھا اسلئے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔ کبھی اس طرف کبھی اس طرف اڑتا رہا اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا۔ ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے ادھر خیال لگ گیا اور نگاہ اس پرندے کے ساتھ پھرتی رہی۔ دفعتہً نماز کا خیال آیا تو سہو ہو گیا کہ کونسی رکعت ہے نہایت قلق ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی فوراً حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور پورا قصہ عرض کرکے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی اسلئے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ ﷺ جہاں دل چاہے اس کو صرف فرما دیجئے۔ اسی طرح ایک اور قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب پر تھا اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے۔ نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے۔ خیال ادھر لگ گیا جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں۔ اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا جسکی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ نے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اس کو جو چاہے کیجئے۔ انہوں نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کرکے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرما دی (موطا امام مالک)

ف: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آجانے سے پچاس ہزار درہم کا باغ صدقہ کردیا۔ ہمارے شاہ ولی

اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قول جمیل میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں میں تحریر فرماتے ہوئے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ یہ

نسبت ہے اللہ کی اطاعت کو ماسوٰی پر مقدم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا، کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی اطاعت میں کسی

دوسری چیز کی طرف توجہ کیوں ہوئی؟

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جب پانی اتر آیا تو آنکھ بنانے والے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا

کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنا دیں۔ لیکن پانچ دن تک آپ کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا۔

انہوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا واللہ ایک رکعت بھی مجھے اس طرح پڑھنا منظور نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ

جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑے وہ حق تعالیٰ شانہ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے۔ (در منثور(

ف: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل

نہیں ہوتی مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز کے ساتھ جو شغف تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کرنے کی جس قدر

اہمیت تھی اس کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا کہ ان حضرات کے نزدیک ایک نماز پر

ساری دنیا قربان تھی۔ آج ہم نے حیائی سے جو چاہے ان مر مٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں۔ جب کل ان کا سامنا ہوگا اور یہ

فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اڑا رہے ہوں گے جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

۸۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہو گیا دیکھا کہ فوراً سب اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورہ نور ۱۸) ترجمہ پوری آیت شریفہ کا یہ ہے کہ " ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح و شام اسکی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے، نہ خرید ناغفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا۔ وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گے "(ماخوذ از بیان القرآن(

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے لیکن جب اذان کی آواز سنتے تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ تاجر تھے مگر ان کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جل شانہ نے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے یاد فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو ارشاد ہو گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے تو مختصر جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہو گا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خواب گاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے تو ایک دوسری مختصر جماعت اٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہو گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا بیچنا اللہ

کے ذکر سے نہیں روکتا تھا۔ تو ایک تیسری مختصر جماعت کھڑی ہو گی اور جنت میں بغیر حساب داخل ہو گی۔ اس کے بعد بقیہ لوگوں کا

حساب شروع ہو جائے گا۔ (در منثور(

۹۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا

اور زید رضی اللہ عنہ و عاصم رضی اللہ عنہ کا قتل

احد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے ان کے عزیزوں میں انتقال کا جوش زور پر تھا۔ سلافہ نے جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے منت مانی تھی کہ اگر عاصم کا جنہوں نے اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا) سر ہاتھ آجائے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوئوں گی۔ اس لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دوں گی۔ سفیان بن خالد کو اس لالچ نے امادہ کیا وہ ان کا سر لانے کی کوشش کرے چنانچہ اس نے عضل و قارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدس ﷺ سے تعلیم و تبلیغ کیلئے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی اور حضرت عاصمؓ کے بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی کہ ان کا وعظ پسندیدہ بتلایا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دس اومیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جن میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستہ میں جا کر ان لے جانے والوں نے بد عہدی کی، اور دشمنوں کو مقابلہ کیلئے بلایا جو دو سو آدمی تھے اور ان میں سے سو آدمی بہت مشہور تیر انداز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ راستہ میں بنو لحیان کے دو سو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ مختصر جماعت دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی، یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر جس کا نام فدفد تھا چڑھ گئی۔ کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے۔ صرف اہل مکہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ آجاؤ ہم تم کو قتل نہیں کریں گے مگر انہوں

نے کہاکہ ہم کافر کے عہد میں انا نہیں چاہتے اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا۔ جب تیر ختم ہوگئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔ حضرت

عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے جوش میں کہاکہ تم سے دھوکہ کیا گیا مگر گھبرانے کی بات نہیں۔ شہادت کو غنیمت سمجھو۔

تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہارے منتظر ہیں۔ یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوار سے

مقابلہ کیا۔ مقابلوں کا مجمع کثیر تھا۔ آخر شہید ہوگئے اور دعا کی کہ یا اللہ اپنے رسول کو ہمارے قصہ کی خبر کردے چنانچہ یہ دعا قبول

ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہوگیا اور چونکہ عاصم یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ میرے سر کی کھوپڑی میں شراب

پینے کی منت مانی ہے اس لئے مرتے وقت دعا کی یا اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جارہا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے وہ دعا قبول ہوئی اور

شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالی نے شہید کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول بھیج

دیا جنہوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے

مگر رات کو ایک بارش کی رو آئی اور ان کی نعش کو بہا کر لے گئی۔ اسی طرح سات آدمی اور تین آدمی شہید ہوگئے۔ غرض تین باقی رہ

گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ۔ان تینوں حضرات سے پھر

انہوں نے عہد پیمان کیا کہ تم نیچے آجاؤ ہم تم سے بد عہدی نہ کریں گے۔ یہ تینوں حضرات نیچے اتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار ان کی

کمانوں کی تانت اتار کر ان کی مشکیں باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پہلی بد عہدی ہے میں تمہارے

ساتھ ہر گز نہ جاؤں گا ان شہید ہونے والوں کا اقتداء ہی مجھے پسند ہے۔ انہوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا مگر یہ نہ ٹلے تو ان لوگوں

نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ایک حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ، جن کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ امیہ کے بدلہ میں

قتل کرے۔ دوسرے حضرت خبیب جن کو حجیر بن ابی اہاب نے سو اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل

کرے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انہوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔ صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زیدؓ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیئے جاویں اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ اے زید! تجھ کو خدا کی قسم سچ کہنا کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کی گردن تیرے بدلے میں ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ جہاں ہیں وہیں ان کے ایک کانٹا بھی چبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں۔ یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت دیکھی اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک قید میں رہے۔ حجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہوگئیں کہتے ہیں کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے ہیں اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب ایا تو انہوں ے صفائی کے لئے استرا مانگا وہ دے دیا گیا۔ اتفاق سے ایک کمسن بچہ اس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ استرا ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دونگا، ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل جلالہ کی ملاقات قریب ہے۔ چنانچہ مہلت دی گئی۔ انہوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس

کے بعد سولی پر لٹکا دیے گئے تو انہوں نے یہ دعا کی یا اللہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسول پاک ﷺ تک میرا آخری سلام پہنچادے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اسی وقت سلام پہنچایا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وعلیکم السلام یا خبیبؓ۔ اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خبیب کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو چالیس کافروں نے نیزے لیکر چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا اس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں انہوں نے فرمایا واللہ العظیم مجھے یہ پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں ایک کانٹا بھی حضور ﷺ کے چبھے۔ (فتح الاسلام(

ف: ویسے تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور پر قابل قدر اور قابل عبرت ہیں۔ ان حضرات کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت و عشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہنچ جائے اس لئے کہ حضرت خبیبؓ سے صرف زبان سے ہی کہلانا چاہتے تھے اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا اور نہ بدلہ میں حضور کو تکلیف پہنچانے پر تو ان کفار کو بھی قدرت نہ تھی بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہتے تھے جس میں بدلہ بے بدلہ سب برابر تھا۔ دوسری چیز نماز کی عظمت اور اسکا شغف کہ اسے آخر وقت میں عام طور پر بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے۔ صورت دیکھنا چاہتا ہے، پیام و سلام کہتا ہے مگر ان حضرات کو پیام و سلام دینا ہے حضور ﷺ کو اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

۱۰۔ حضور ﷺ کی جنت میں معیت کیلئے نماز کی مدد

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گذرا تا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور

دوسری ضروریات مثلاً مسواک مصلیٰ وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا، مانگ کیا مانگتا

ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جنت میں آپ کی رفاقت۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور کچھ، کہا بس یہی چیز مطلوب ہے۔ آپ

ﷺ نے فرمایا۔ اچھا میری مدد کیجیو، سجدوں کی کثرت سے۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے

اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اسکی کثرت اتنے ہی سجدے زیادہ ہونگے جو لوگ ان سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر

فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے۔ سخت غلطی ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس دنیا کو اسباب کیساتھ چلایا ہے اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر

قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کے واسطے کبھی ایسا بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے

ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھے۔ پچاس طرح کی کوشش کرتے

ہیں مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آجاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے مگر حضور ﷺ

نے بھی ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعا کی مدد کرنا۔

چھٹا باب

ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایثار کہتے ہیں اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا۔ اول تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہی ہے جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ حصہ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت ہے۔ لیکن بعض عادتیں ان میں سے ایسی ممتاز ہیں کہ انہیں کا حصے تھیں۔ ان کے منجملہ ایثار ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْکَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو ان پر فاقہ ہی ہو۔

۱۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا کہیں کچھ نہ ملا تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں مہمانی کروں گا۔ ان کو گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے مہمان ہیں جو اکرام کر سکے اس میں کسر نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا خدا کی قسم بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابیؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دیجیو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تو چراغ درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا۔ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گذاری۔ جس پر یہ آیت یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ نازل ہوئی۔ (سورہ حشر) ترجمہ۔ " اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو"۔

ف: اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جو صحابہؓ کے یہاں پیش آئے چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اس قسم کا لکھا ہے۔

۲۔ روزہ دار کے لئے چراغ بجھا دینا

ایک صحابی روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ افطار کیلئے کوئی چیز کھانے کی میسر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابیحضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا۔ بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہ کو بہت ہی پسند آیا۔ (در منثور(

۳۔ ایک صحابی کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا۔ میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام۔ انہوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں۔ البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضور اقدس ﷺ سفر میں ہیں اور آج پڑاو فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جاکر پیش کردو۔ اگر منظور فرمالیا تو مجھے انکار نہیں ورنہ میں معذور ہوں۔ وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس آپؐ کے قاصد زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرف فرمایا ہو اس لئے میں نے اپنی سارا مال سامنے

کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوۃ کا واجب ہے۔ حضور ﷺ ! ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع ہے نہ سواری کا۔ اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہیں فرمایا اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتلائی۔ مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ عمدہ مال دو تو قبول ہے اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضور ﷺ نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

ف: یہ زکوۃ کے مال کا منظر ہے آج بھی اسلام کے بہت سے دعویدار ہیں اور حضور ﷺ کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں لیکن زکوۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہے۔ پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہے۔ جو اونچے طبقے والے زیادہ مال والے کہلاتے ہیں ان کے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں لیکن جو متوسط حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنے کو دیندار سمجھتے ہے ں وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہے کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آجائے اس میں زکوۃ ہی کی نیت کر لیں۔

۴۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اتفاقاً اس زمانہ میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے اگر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا۔ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا آخر کیا چھوڑا۔ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا۔ سب لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابو بکر گھر والوں کیلئے کیا

چھوڑا۔ انہوں نے فرمایا ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

ف: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ دوسرے سے بڑھ جائوں یہ مستحسن اور مندوب ہے۔ قران پاک میں بھی اسکی ترغیب آئی ہے۔ یہ قصہ غزوہ تبوک کا ہے۔ اس وقت میں حضور ﷺ نے چندہ کی خاص طور پر ترغیب فرمائی تھی۔ اور صحابہ کرام نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں فرمائیں جن کا ذکر باب ۲ کے قصہ ۹ میں بھی مختصر طور پر گذرا ہے۔ جَزَاہُمُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا

حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلائوں اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جان کنی شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں۔ انہوں نے اشارے سے ہاں کی۔ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔ میرے چچا زاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا۔ وہ ہشام بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے۔ تو انہوں نے آہ کی۔ ہشامؓ نے مجھے ان کے پاس جانے کا

اشارہ کر دیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشامؓ کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ ان کے

پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (درآیة)

ف: اس نوع کے متعدد واقعات کتب حدیث میں ذکر کئے گئے۔ کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی تو دم توڑ رہا ہو اور پیاسا

ہو۔ ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا

جائے اور ان مرنے والوں کی روحوں کو اللہ جل شانہ اپنے لطف وفضل سے نوازیں کہ مرنے کے وقت بھی جب ہوش وحواس سب

ہی جواب دے دیتے ہیں یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں۔

۶۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن

حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے اور بے درد کافروں نے آپ کے کان،

ناک وغیرہ اعضا کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ لڑائی کے ختم پر حضور ﷺ اور دوسرے صحابہؓ

شہیدوں کی لاشیں تلاش فرما کر ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا۔

نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہؓ تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی

حالت کو دیکھیں۔ حضور ﷺ نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں کے دیکھنے کا تحمل مشکل ہو گا، ان کے صاحبزادہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے

دیکھنے کو منع فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک، کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ

کونسی بڑی بات ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں۔ اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے جا کر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور ﷺ نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی۔ آکر دیکھا، اناللہِ پڑھی اور ان کے استغفار اور دعا کی۔ ایک روایت میں ہے کہ غزوہ احد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک عورت تیزی سے آ رہی تھی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ دیکھو عورت کو روکو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں میں جلدی سے روکنے کیلئے بڑھا۔ مگر وہ قوی تھیں ایک گھونسا میرے مارا اور کہا، پرے ہٹ۔ میں نے کہا کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کیلئے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی۔ ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام سہیل رضی اللہ عنہ تھا ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ہ میں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔ اسلئے ہم نے دونوں کیلئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا۔ مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا، دوسرا چھوٹا۔ تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصے میں آئے گا وہ ان کے کفن میں لگا یا جائے۔ قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ اور چھوٹا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ جو ان کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔ (خمیس) ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رحمۃ اللہ علیہ جب دو کپڑے لیکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہنچیں تو ان کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کپڑا بڑا تھا۔ یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصل ہے۔

ف: یہ دو جہاں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کیلئے دو کپڑے دیتی ہیں اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے۔ ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے او پھر چھوٹا کپڑا اس شخص کے حصہ میں آتا ہے جو کوئی وجہ سے ترجیح کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ غریب پروری اور مساوات کے دعویدار اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو ان پاک ہستیوں کا اتباع کریں جو کہہ کر نہیں بلکہ کر کے دکھلا گئے ہم لوگوں کو اپنے لئے ان کا پیرو کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

۷۔ بکرے کی سر کا چکر کاٹ کر واپس آنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں' کنبہ والے ہیں اور ان کے گھر والے زیادہ محتاج ہیں اس لئے ان کے پاس بھیج دی۔ ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا، اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر لوٹ آئی۔ (در منثور(

ف: اس قصہ سے ان حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرور مند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت اپنے سے مقدم معلوم ہوتی تھی۔

۸۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کا زچگی میں لے جانا

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا۔ دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے جو پہلے وہاں

نہیں دیکھا تھا۔اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کون ہو۔انہوں نے کہا ایک مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔امیر المومنین کے سامنے کچھ اپنی ضرروت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے۔ان صاحب نے کہا میاں جاؤ اپنا کام کرو۔آپ نے اصرار فرمایا کہ نہیں بتادو کچھ تکلیف کی آواز ہے۔ان صاحب نہ کہا کہ عورت کی ولادت کا وقت قریب ہے،دردزہ ہورہاہے آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے۔انہوں نے کہا کوئی نہیں۔آپ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثوم رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمہارے لئے آئی ہیں۔انہوں نے پوچھا کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے۔اس کو دردزہ ہورہاہے۔انہوں نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں تمہاری صلاح ہو تو میں تیار ہوں اور کیوں نہ تیار ہو تیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رحمتہ اللہ علیہ کی ہی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو۔ تیل گوڈر وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو،وہ لے کر چلیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لئے وہاں پہنچ کر حضرت ام کلثوم رحمتہ اللہ علیہ تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ ؓ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے ابالے،گھی ڈالا اتنے میں ولادت سے فراغت ہو گئی۔اندر سے حضرت ام کلثوم رحمتہ اللہ علیہ نے آواز دے کر عرض کیا ۔امیر المومنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجئے امیر المومنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلادیں۔اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بدو سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی۔

اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمادیا کہ کل تمہارے لئے انتظام کر دیا جائے گا۔

ف: ہمارے زمانے کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں، کوئی معمولی حیثیت کا مال دار بھی ایسا ہے جو غریب کی ضرورت میں مسافر

کی مدد کے واسطے اس طرح بیوی کو رات کو جنگل میں لے جائے اور خود اپنے آپ چولہا دھونک کر پکائے۔ مال دار کو چھوڑیئے کوئی

دیندار بھی ایسا کرتا ہے۔ سوچنا چاہیے کہ جن کے ہم نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں، کوئی کام بھی ہم ان

جیسا کر لیتے ہیں۔

۹۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے باغ والے تھے۔ ان کا ایک باغ تھا جس کا نام بیر حاء تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ محبوب تھا مسجد نبوی ؐ کے قریب تھا۔ پانی بھی اس میں نہایت شیریں اور افراط سے تھا۔ حضور ﷺ بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے۔ جب قران شریف کی آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ترجمہ۔ ”تم نیکی (کے کامل درجہ) کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو پسند ہیں“ نازل ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت مں حاضر ہوئے او عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیر حاسب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔ اس لئے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں اس کے موافق اس کو خرچ فرمادیں۔ حضور ﷺ نے بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہل قرابت میں تقسیم کردو۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔ (در منثور)

ف: ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائیداد کوئی ایک آدھ وعظ سن کر، قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سن کر اس طرح

بے دھڑک خیرات کر دیتے ہیں۔ اگر وقف وغیرہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو زندگی سے مایوس ہو جانے کے بعد یا وارثوں سے خفا ہو

کر ان کی محروم کرنے کی نیت سے اور برس کے برس اس سوچ میں لگا دیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ میری زندگی

میں تو میرے ہی کام آوے بعد میں جو ہو وہ ہوتا رہے۔ ہاں نام و نمود کی کوئی چیز ہو، بیاہ شادی کی تقریب ہو تو سودی قرض سے بھی انکار

نہیں۔

۱۰۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خدام کو تنبیہ کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جن کے سلام لانے کا قصہ باب ا کے ۵ پر گذر چکا۔ یہ بڑے زاہد

لوگوں میں تھے۔ مال نہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے۔ مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس

لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ربذہ میں رہنے لگے تھے۔ جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی۔ اس لئے حضرت

ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتواں ضعیف سا چرواہا تھا۔ جو ان کی خبر گیری کرتا تھا۔ اسی پر گذر تھا۔ ایک شخص

قبیلہ بنو سلیم کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنا ظاہر کی میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے فیوض سے

استفادہ حاصل کروں۔ میں آپ کے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا اور آپ کی برکات سے فائدہ بھی حاصل کروں گا۔ حضرت ابوذر

رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے اگر تم بھی میری اطاعت کے لئے تیار ہو تو شوق سے رہو۔

کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں، سلیمی صاحب نے عرض کیا کسی چیز میں آپ کی اطاعت چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ جب میں اپنے مال

میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں تو عمدہ مال خرچ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا۔ اتفاق سے ایک دن ان

سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورت مند ہیں، کھانے کے محتاج ہیں، مجھ سے فرمایا، ایک اونٹ لے آؤ۔ میں گیا

۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کار آمد اور سواری میں مطیع۔ میں نے حسب وعدہ اس کو لے

جانے کا ارادہ کیا۔ مگر مجھے خیال ہوا کہ غربا کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کار آمد ہے۔ حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا

ہے۔اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی، لے کر حاضر خدمت ہوا، فرمایا

کہ تم نے خیانت کی۔ میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اونٹ لے گیا۔ پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے

واسطے ایک کام کریں۔ دو آدمی اٹھے، انہوں نے اپنے کو پیش کیا۔ فرمایا کہ اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر

آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابوذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو۔ میرے گھر بھی اتنا ہی جائے

جتنا ان میں سے ہر گھر میں جائے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیت عمدہ

مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا۔ میں اول اسی

اونٹ کو لیا تھا مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کار آمد ہے۔ آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے۔ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا فرمایا اپنی

ضرورت کا دن بتاؤں۔ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری ضرورت اور

احتیاج کا ہے۔ مال کے اندر تین حصہ دار ہیں۔ ایک تقدیر جو مال لے جانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی۔ اچھا برا ہر قسم کا لے جاتی

ہے۔ دوسرا وارث جو اس کے انتظار میں ہے تو مرے تو وہ لے لے۔ اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت میں تو تو

تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اسلئے جو مال مجھے

سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں تاکہ وہ میرے لئے جمع رہے۔ (در منثور)

ف: ''تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن'' کا مطلب یہ ہے کہ جو ہو سکے اپنے لئے اخرت کا ذخیرہ جمع

کرلے۔ ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آجائے اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے یا تو مر جائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آجائے کہ بعد میں

کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ آل اولاد بیوی بچے سب تھوڑے بہت دنوں رو کر چپ ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے

لئے بھی کچھ صدقہ خیرات کردیں اور اس کو یاد رکھیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال

،میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور پرانا کر دیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا اور اپنے لئے

خزانہ میں جمع کر دیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے۔ لوگوں کے لئے جمع کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔

حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں سے ایسا کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھے لگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا

رسولؐ اللہ ایسا کون ہوگا جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے

بھیج دیا جائے اور جو چھوڑ دیا جائے وہ وراث کا مال ہے۔ (مشکوۃ(

۱۱۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضر علی کے حقیقی بھائی ہیں۔ اول تو یہ سارا ہی

گھرانہ اور خاندان بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت، بہادری میں ممتاز رہے اور ہیں۔ لیکن حضرت جعفرؓ مساکین کے ساتھ خاص

تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اول حبشہ کی ہجرت کی اور کفار نے وہاں

بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنے صفائی پیش کرنا پڑی جس کا قصہ پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گذرا۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی

ہجرت کی اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آرہا ہے۔ ان کے انتقال کی خبر پر حضور ﷺ ان کے گھر

تعزیت کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد کو بلایا۔ وہ سب کم عمر تھے ان کے سر پر ہاتھ پھیر اور برکت کی دعا فرمائی۔ ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا مگر عبداللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب قطب السخاء، سخاوت کا قطب تھا۔ سات برس کی عمر میں حضور ﷺ سے بیعت ہوئی۔ انہی عبداللہ بن جعفرؓ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں سفارش کرائی۔ ان کی شفارش پر اس کا کام ہو گیا۔ تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے۔ اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے۔ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی۔ اس کو فکر و رنج ہوا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آ جاتا تھا وہ ان کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔ (اصابہ(

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دین شہید ہو گئے۔ صاحبزادے نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں یہ رقم قرض ہے۔ جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔ یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے تمام قرضہ ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی دقت پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ فلاں کام نہیں ہوتا، وہ فوراً ہو جاتا۔ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم

لکھے ہیں۔ کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ گیا میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔ کہنے لگے جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا کہ اس کے بدلہ میں زمین لے لو۔ غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا۔ میں نے ایک زمین ان کو دے دی۔ جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا۔انہوں نے فوراً قبول کرلی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلیٰ بچھادے۔اس نے مصلیٰ بچھادیا۔ دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو۔اس نے کھودنا شروع کیا۔ایک پانی کا چشمہ وہاں سے ابلنے لگا۔(اسد الغابہ(

ف: ان حضرات صحابہ کرامؓ کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

ساتواں باب

بہادری، دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مرنے ہی کے سر ہو جائے تو پھر سب کچھ کر سکتا ہے۔ ساری بزدلی، سوچ فکر زندگی ہی کے واسطے ہے اور جب مرنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے تو نہ مال کی محبت رہے نہ دشمن کا خوف۔ کاش مجھے بھی ان سچوں کے طفیل یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

ا۔ابن جحش رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد آؤ مل کر دعا کریں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے دوسرا امین کہے کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی یا اللہ جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ والا ہو وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوروار حملہ کروں۔ پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہ بن وقاص رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ اے اللہ کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں، وہ بھی مجھ پر زور کا حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کردے پھر میرے ناک کان کاٹ لے۔ پھر قیامت میں جب تیرے حضور میں پیشی ہو تو تُو کہے کہ عبداللہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے میں عرض کروں یا اللہ تیرے اور تیرے رسولؐ کے راستے میں کاٹے گئے پھر تو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستے میں کاٹے گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں۔ (خمیس) سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی دُعا میری دُعا سے بہتر تھی۔ میں شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے ہوئے ہیں۔ احد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی جن ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔ (اصابہ) دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے۔

ف: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے وہاں دوسری جانب کمال عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر میں جب وہ پوچھیں کہ سب کیوں ہوا تو میں عرض کروں کہ تمہارے لئے1

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کے یادگاروں میں　　　　مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

۲۔ احد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری

غزوہ احد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی جس کا ذکر باب نمبر ا قصہ نمبر ۲ میں گذر چکا۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آگئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوگئے اور کچھ بھاگے بھی۔ نبی اکرم ﷺ بھی کفار کے ایک جتھے کے بیچ میں آگئے اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے۔ صحابہؓ اس خبر سے پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور ادھر ادھر متفرق ہوگئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اقدس ﷺ میری نظر سے اوجھل ہوگئے تو میں نے حضور ﷺ کو اول زندوں میں تلاش کیا نہ پایا۔ پھر شہدا میں جاکر تلاش کیا وہاں بھی نہ پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ لڑائی سے بھاگ جائیں۔ بظاہر حق تعالیٰ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے اس لئے اپنے پاک رسول کو آسمان پر اٹھالیا اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں کے جتھے میں گھس جاؤں یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے کر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار کے بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبی اکرم ﷺ پر پڑ گئی تو بیحد مسرت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جل شانہ نے ملائکہ کیذریعہ سے اپنے محبوب کی حفاظت کی۔ میں حضور ﷺ کے پاس جاکر کھڑا ہوا کہ ایک

جماعت کی جماعت کفار کی حضور ﷺ پر حملہ کیلئے آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، علیؓ ان کو روکو۔ میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیئے اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک جماعت حضور ﷺ پر حملہ کی نیت سے بڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر حضرت علیؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ انہوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد جبرئیل نے آکر حضرت علیؓ کی اس جوانمردی اور مدد کی تعریف کی تو حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنِّی وَاَنَا مِنْہُ "بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں" یعنی کمال اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْکُمَا " میں تم دونوں سے ہوں" (قرۃ العیون)

ف: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم ﷺ کی مقدس ذات کو نہ پا کر مر جانے کی نیت سے کفار کے جمگھٹے میں گھس جانا جہاں ایک طرف حضور ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہیں وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری جرات کا بھی نقشہ پیش کرتا ہے۔

۳۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

غزوہ احد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اول سے شریک نہیں تھے کہتے ہیں کہ ان کی نئی شادی ہوئی تھی بیوی سے ہم بستر ہوئے تھے۔ اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے اور غسل کرنے کیلئے بیٹھ بھی گئے سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لا سکے اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھتے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ چونکہ شہید کو اگر جنبی نہ ہو تو بغیر غسل دے دفن کیا جاتا ہے اس لئے انکو بھی اسی طرح کر دیا۔ مگر حضور ﷺ نے دیکھا کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ سے

ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا ابو سعید ساعدی کہتے ہے کہ میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حنظلہ کو جا کر دیکھا تو ان کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے واپسی پر تحقیق فرمایا تو ان کے بغیر نہانے جانے کا قصہ معلوم ہوا۔ (ایضاً)

ف: یہ بھی کمال بہادری ہے۔ بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے اس لئے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے۔

۴۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں میں شرکت بھی کرتے تھے، غزوہ احد میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انہوں نے فرمایا، کیسی بری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی نے بھی ابھارنے کیلئے طعنہ کے طور پر یہ کہا، کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا۔ عمروؓ نے یہ سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ منہ کر کے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِی اِلٰی اَھْلِی (اے اللہ مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے تو نہ جانے میں کیا حرج ہے۔ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا۔ دونوں

لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو وہ

اونٹ بیٹھ گیا۔ بڑی وقت سے اس کو مار کر اٹھایا اور مدینے لانے کی کوشش کی۔ مگر وہ احد ہی کی طرف کا منہ کرتا تھا ان کی بیوی نے

حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے۔ کیا عمروؓ چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے انہوں نے عرض کیا

کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَرُدَّنِي اِلٰى اَہْلِي آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں

جاتا۔ (قرۃ العیون(

ف: اسی کا نام ہے جنت کا شوق اور یہی ہے وہ سچا عشق اللہ کا ور اس کے رسول کا جس کی وجہ سے صحابہؓ کہاں سے کہاں پہنچ

گئے کہ ان کے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتے۔ بتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے مگر یا تو وہ بیٹھ جاتا یا احد کی طرف چلتا تھا۔

۵۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے ان کے

باپ ان کیلئے دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے۔ نو عمر تھے بہت زیادہ ناز و نعمت میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی

زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہوگئے اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کردی۔ انہوں نے ان

کو باندھ کر قید کر دیا۔ روز ایسی حالت میں گذرے۔ اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے۔ اور جو لوگ حبشہ کی ہجرت کر رہے تھے

ان کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے وہاں سے واپس مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے اور ایسی تنگی کی

حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سامنے سے گذرے، ان کے پاس صرف

ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضور ﷺ ان کی اس حالت اور اس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ غزوہ احد میں مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک کافر ان کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جاوے، اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ انہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرے نہیں۔ اس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہو گئے مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا۔ اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے شخص نے اٹھا لیا۔ جب ان کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی۔ اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف سے جاتی تو سر کھل جاتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیے جائیں۔ (قرۃ العیون والاصابہ)

ف: یہ آخری زندگی ہے اس نازک اور نازوں سے پلے ہوئے کی جو دو سو درہم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔ بڑے نازوں کے پلے ہوئے تھے مگر ایمان ان لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح سے جمتا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کا بھی نہ چھوڑتا تھا۔ روپیہ، پیسہ، راحت، آرام ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا۔

۶۔ قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خط

عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا۔ عوام اور خواص دونوں قسم

کے مجمعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ منورہ رہ

کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے۔ عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے۔ اور خواص کی رائے تھی

کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ مشوروں کی گفتگو میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ آگیا۔ انکو سب نے

پسند کر لیا کہ اگر ان کو بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سعد

رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے۔ غرض یہ تجویز ہو گئی اور انکو بھیج دیا گیا۔ جب قادسیہ پر حملہ

کیلئے پہنچے تو شاہ کسریٰ نے ان کے مقابلہ کیلئے رستم کو جو مشہور پہلوان تھا، تجویز کیا۔ رُستم نے ہر چند کوشش کی اور بادشاہ سے بار بار اس

کی درخواست کی کہ مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ خوف کا غلبہ تھا مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح

مشورہ میں مدد دوں گا۔ مگر بادشاہ نے جس کا نام یزدجرد تھا قبول نہ کیا اور اس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ حضرت سعد رضی اللہ

عنہ جب روانہ ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو وصیت فرمائی۔ جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔ "سعد تمہیں یہ بات دھوکہ

میں نہ ڈالے کہ تم حضور ﷺ کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور ﷺ کے صحابیؓ ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں دھوتے بلکہ

برائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے اس کے یہاں صرف اس کی بندگی مقبول

ہے۔ اللہ کے یہاں شریف رذیل سب برابر ہیں سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے۔ اس کے انعامات بندگی سے

حاصل ہوتے ہیں۔ ہر امر میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور ﷺ کا طریقہ تھا وہی عمل کی چیز ہے۔ میری نصیحت کو یاد رکھنا۔ تم ایک بہت

بڑے کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو، اس سے چھٹکارا صرف حق کے اتباع سے ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی

بنانا، اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت میں اور گناہ سے پرہیز کرنے میں۔ اور اللہ

کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی، دنیا سے بغض اور اخرت کی محبت سے نصیب ہوئی۔ (اشہر) اس کے بعد حضرت سعدؓ نہایت

بشاشت سے لشکر لے کر روانہ ہوئے جس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے رستم کو لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔ فَاِنَّ مَعِیَ

قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا یُحِبُّوْنَ الْعَاجِمُ الْخَمْرَ "بیشک میرے ساتھ ایک ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا محبوب رکھتی ہے

جیسا کہ تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو" (تفسیر عزیزی جلد اول(

ف: شراب کے دلدادوں سے پوچھو کہ اس میں کیا مزہ ہے جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ ان کے

قدم چومے۔

۷۔ حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی احد میں شہادت

حضرت وہبؓ بن قابوس رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے

تھے۔ بکریاں چراتے تھے۔ اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، پوچھا کہ حضور ﷺ کہاں

تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ احد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ بکریاں کو وہیں چھوڑ کر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک

جماعت کفار کی حملہ کرتی آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو ان کو منتشر کردے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے۔ حضرت وہب رضی اللہ

عنہ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔

حضور ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہید ہوئے۔ حضرت

سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہب رضی اللہ عنہ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی لڑائی میں نہیں دیکھی اور شہید ہونے

کے بعد حضور ﷺ کو میں نے دیکھا کہ وہبؓ کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو۔ میں تم سے راضی ہوں اس کے بعد حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا باوجودیکہ اس لڑائی میں حضور اقدس ﷺ خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہب رضی اللہ عنہ کے عمل پر آیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے پہنچوں۔(الاصابہ وقرۃ العیون(

ف: اُن پر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس کے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

۸۔ بیر معونہ کی لڑائی

بیر معونہ کی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ستر صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی جن کو قراء کہتے ہیں۔ اسلئے کہ سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے۔ حضور ﷺ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ کیونکہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گذارتے تھے اور دن کو حضور ﷺ کی بیبیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی پانی وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی اپنے ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچے مگر اس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ کو ہمراہ کر دیا اور ایک والا نامہ عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا، تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہو کر بیر معونہ تو ٹھہر گئے اور دو ساتھی ایک حضرت عمر بن امیہ دوسرے حضرت منذر بن عمر سب کے اونٹوں کو لے چرانے کیلئے تشریف

لے گئے۔اور حضرت حرام اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور ﷺ کا والا نامہ دینے

کیلئے تشریف لے گئے قریب پہنچ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ میں آگے جاتا

ہوں۔اگر میرے ساتھ کوئی دغا نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر

ہے۔عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا جو ان صحابہؓ کو اپنے ساتھ لایا تھا اس کو اسلام سے اور مسلمانوں سے خاص عداوت

تھی۔حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے والا نامہ دیا تو اس نے غصہ میں پڑھا بھی نہیں بلکہ حضرت حرامؓ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل

گیا۔حضرت حرم رضی اللہ عنہ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہوگیا) کہہ کر جان بحق ہوئے۔اس نے نہ

اسکی پرواہ کی کہ قاصد کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں اور نہ اسکا لحاظ کیا کہ میرے چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے۔ان

کو شہید کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اسپر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو لیکن ان لوگوں نے

ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردد کیا تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ ان ستر صحابہ رضی اللہ

عنہم کا مقابلہ کیا۔یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کفار میں گھیرے ہوئے تھے۔بجز ایک کعب بن زید

کے جن میں کچھ زندگی کی رمق باقی تھی اور کفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مردار خور جانور اڑ

رہے تھے۔دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹ کے ضرور کوئی حادثہ پیش آیا۔یہاں آ کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو

خون کی بھری ہوئی تلواریں لئے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا۔یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا

کرنا چاہیے۔عمر بن امیہؓ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور ﷺ کو اطلاع دیں مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو

ہو ہی جاوے گی۔میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں۔آگے

بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو۔چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے۔حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے

اور حضرت عمرؓبن امیہ گرفتار ہوئے مگر چونکہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی منت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا اسلئے عامر نے ان کو اس منت پر آزاد کیا۔ ان حضرات میں حضرت ابو بکر صدیق کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے قاتل جبار بن سلمیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کو برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انہوں نے کہا "فُزْتُ وَاللّٰہِ" خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا" اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اڑی چلی گئی۔ میں بہت متحیر ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا وہ مرے لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں میں کامیاب ہوگیا، تو وہ کامیابی کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی۔ اس پر میں مسلمان ہوگیا۔ (خمیس(

ف: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے بے شک موت ان کے لئے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی جب دنیا میں کام ہی ایسے کیے تھے جن پر اللہ کے یہاں کی سرخروئی یقینی تھی۔ اس لئے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

۹۔ حضرت عمیرؓ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے

غزوہ بدر میں حضور ﷺ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف سے جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور متقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن الحمامؓ ایک صحابی ہے وہ بھی سن رہے تھے کہنے لگے واہ واہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ واہ واہ کس بات پر کہا۔ عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا آپؐ نے فرمایا، تم بھی ان میں سے ہو۔ اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ اس کے بعد

کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہیں، بڑی لمبی زندگی ہے کہاں تک انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے۔ اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ (طبقات ابن سعد(

ف: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدر دان ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں۔

۱۰۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت کا معترف ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف کی حالت میں تھے، حضور ﷺ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعاء کی جو قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص ہجرت چھپ کر کی۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی، کمان ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لئے ۔اول مسجد میں گئے طواف اطمینان سے کیا۔ پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا یہ دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں وہ مکہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔ (اسد الغابہ(

۱۱۔ غزوہ موتہ کا قصہ

حضور اقدس ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں ایک خط حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ موتہ پہنچے تو شرحبیل غسانی نے جو قیصر کے حکام سے ایک شخص تھا ان کو قتل کر دیا۔ قاصدوں کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کو یہ بات بہت گراں ہوئی اور آپؐ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا اس نے کہا یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے پہلے انبیاءؑ کی اس قسم کی کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے حضور اقدس ﷺ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر زید رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور خود مع ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہنچانے والے واپس آنے لگے تو ان مجاہدین کیلئے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہ تمکو سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ "میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید اور کامیاب کرے واقعی تو تو رشید اور کامیاب تھا" اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے۔ شرحبیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لیے ہوئے مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔ ان حضرات کو خبر سے تردد ہوا، کہ اتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ کیا جاوے یا حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دے جاوے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے للکار کر فرمایا۔ اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادہ سے نکلے ہو۔ تمہارا مقصود شہید ہو

جاناہے۔ ہم لوگ کبھی موت اور آدمیوں کر کثرت کے زور پر نہیں لڑے۔ ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ہ میں اکرام نصیب فرمایاہے۔ آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ موتہ پر پہنچ کر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہنچے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ شرجیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھ بھاگ گئے۔ خود شرجیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہرقل کے پاس مدد کیلیے آدمی بھیجا۔ اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی۔ حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیے یا کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ''اے لوگو! کیا ہی اچھی چیز ہے جنت اور کیا ہی اچھاہے اس کا قریب ہونا۔ کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آگیا۔ مجھ پر لازم ہے کہ ان کو ماروں'' یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے۔ امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا بھی انہی کے پاس تھا۔ اول جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا تھا۔ کافروں نے دایاں کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے۔ انہوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے وہ بھی کاٹ دیا تو انہوں نے دونوں بازوؤں سے اس کو تھاما اور منہ سے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ایک شخص نے پیچھے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیے جس سے یہ گر پڑے۔ اس وقت ان کی عمر تینتیس سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفرؓ کو جب اٹھالیا تو ان کے بدن کے اگلے حصہ میں نوے (۹۰) زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے عبداللہ بن رواحہؓ کو آواز دی۔ وہ لشکر کے ایک کونہ میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا۔ وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہ جعفرؓ تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے۔ آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا۔ انگلی میں زخم آیا وہ لٹک گئی تو انہوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ سے کھینچا وہ

الگ ہوگئی۔ اور اس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے۔ اس گھمسان اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردد بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی قوت۔ لیکن اس تردد کو تھوڑی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا، اور دل کس چیز کا اب اشتیاق باقی ہے جس کی وجہ سے تردد ہے۔ کیا بیوی کا ہے؟ تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے؟ تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے؟ تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ " قسم ہے اے دل تجھے اترنا ہوگا، خوشی سے اتر یا ناگواری سے اتر۔ تجھے اطمینان کی زندگی گزارے ہوئے ایک زمانہ گزر چکا۔ سوچ تو آخر تو ایک قطرہ منی ہے دیکھ کر کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے چلے آرہے ہے۔ تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے ہی گا" اس کے بعد گھوڑے سے اترے۔ ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھالو، کمر سیدھی کرلو۔ کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے لے لیا۔ اتنے میں ایک جانب سے حملے کی آواز آئی۔ اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کیا جماعت میں گھس گئے۔ اور شہید ہونے تک لڑتے تلوار چلاتے رہے۔ (خمیس(

ف: صحابہؓ کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے ان کا ہر ہر قصہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا تو پوچھنا ہی کیا تابعین پر بھی یہ رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصہ پر اس بات کو ختم کرتا ہوں جو دوسرے رنگ کا ہے دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجئے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اَفْضَلُ الْجِہَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ " بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے"

حضرت سعید بن جبیرؒ اور حجاج کی گفتگو

حجاج کا ظلم و ستم دنیا میں مشہور ہے گو اس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم و ستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے لیکن پھر بھی دین دار اور عادل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے تھے۔ اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے بھی ابن الاشعثؒ کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا۔ حجاج، عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہے۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بغض و عداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لئے عدوات کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلایا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیرؒ کو ٹھکانہ دے اس کی خیر نہیں اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں بھی وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دقت سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پوچھا، حجاج: ترا نام کیا ہے۔ سعید: میرا نام سعید ہے۔ حجاج: کس کا بیٹا ہے۔ سعید: جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا۔ اس لئے کہا نہیں تو شقی بن کسیر ہے۔ (شقی کہتے ہے بدبخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز) سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حجاج: تو بھی بدبخت اور تیری ماں بھی بدبخت۔ سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور ہے (یعنی علام الغیوب) حجاج: اب میں تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔ سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔ حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔ سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔ حجاج: حضور اقدس ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے۔ سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی

طرف بھیجے گئے۔ حجاج: خلفا کی نسبت تیرا کیا خیال ہے۔ سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔ حجاج: میں انکو برا کہتا ہوں یا اچھا۔ سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔ حجاج: ان میں سے سب سے پسندیدہ ترے نزدیک کون ہے۔ سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے ولا کون تھا۔ سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔ حجاج: حضرت علیؓ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں گا تو بتا سکتا ہوں۔ حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا۔ سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔ حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں۔ سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔ حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔ سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔ حجاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔ سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔ حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔ سعید: اللہ پر کوئی بھی جرات نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ حجاج: میں کیوں جرات نہیں کر سکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں۔ اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔ سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حجاج: ہم جو کچھ امیر المومنین کے لئے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے۔ سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔ حجاج: نے سونا چاندی کے کپڑے وغیرہ کا منگا کر ان کے سامنے رکھ دئے۔ سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔ حجاج: شرط کیا ہے۔ سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کیدن امن پید کرنے والی ہوں۔ ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے

کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔ حجاج: ہم نے جو جمع کیا ہے اچھی چیز

نہیں۔ سعید: تو نے کیا جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔ حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ سعید:

صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔ حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہو۔ سعید: ہلاکت اس شخص کیلئے ہے جو جنت

سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔ حجاج (دق ہو کر): بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔ سعید: جس طرح سے قتل ہونا

اپنے لئے پسند ہو۔ حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں۔ سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز نہیں۔ حجاج نے

جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج: کو اس کی اطلاع دی گئی پھر بلایا گیا اور پوچھا۔ حجاج: تو کیوں

ہنسا۔ سعید: تیری اللہ پر جرات اور اللہ تعالی کے تجھ پر حلم سے۔ حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں

تفریق کی۔ پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ۔ سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی قبلہ رخ

ہو کر اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پڑھا یعنی "میں نے منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے

آسمان زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین میں سے" حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر

دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔ سعید: فاینما تولوا

فثم وجہ اللہ الکافی بالسرآئر۔ جدھر تم منہ پھیرو ادھر بھی خدا ہے دبھیدوں کا جاننے والا ہے۔ حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی

طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ سعید: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی"۔ ہم نے

زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے"۔ حجاج: اس کو قتل کر دو۔ سعید: میں تجھے

اس بات کا گواہ بناتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ۔ تو اس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے

قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون

بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔ اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔ (علمائے سلف کتاب الامامت والسیاست(

ف: اس قصہ کے سوال وجواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے۔ اور بھی بعض سوال جواب نقل کئے گئے۔ ہ میں تو نمونہ ہی دکھانا تھا اسلئے اسی پر اکتفاء کیا گیا۔ تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے۔ لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب

علمی ولولہ اور اس کا انہماک

چونکہ اصل دین کلمہ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے۔ جب تک وہ نہ ہو کوئی کار خیر بھی مقبول نہیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمہ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور علمی انہماک کے لئے فارغ ویکسو نہ تھے لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق وشغف جس کا ثمرہ آج چودہ سو برس تک علوم قرآن وحدیث کا بقاء ہے، ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ’’مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سوایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ وہ قوم کو جب وہ ان کے پاس واپس آویں، ڈراویں تا کہ وہ احتیاط رکھیں‘‘ (بیان القرآن(

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا سے جو معلوم ہوتا ہے اس کو مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا نے منسوخ کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت عطا فرمائی تھی اور اس وقت کے لئے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی۔ مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہو گئی نیز صحابہ کرام جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی تو ہر ہر شعبہ دین کے لئے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ محدثین کی مستقل جماعت بنی شروع ہو گئی جن کا کام احادیث کا ضبط اور ان کا پھیلانا تھا۔ فقہاء کی علیحدہ جماعت ہوئی، صوفیاء، قراء، مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے۔ اس وقت کے لئے یہی چیز مناسب اور ضروری تھی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دشوار تھی۔ اس لئے ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کرے یہ بہت دشوار ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی۔ اس لئے اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کئے جائیں گے۔

فتوے کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ میں ہر وقت منہمک تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا، اس کو پھیلانا پہنچانا یہی اس کا مشغلہ تھا لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات حسب ذیل ہیں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، عمار بن یاسر، حذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابو موسیٰ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ف: یہ ان حضرات کے کمال علم کی بات ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں یہ لوگ اہل فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

۲ حضرت ابو بکر صدیق کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابو بکر صدیقؓ پانچ سو احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے۔ غرض تمام رات اسی بے چینی میں گزری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں، اٹھالا، میں لے کر آئی، آپ نے جلا دیا، میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔

ف: حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا کہ انہوں نے پانچ سو احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں اِحتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو منبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر وقت کے حاضر باش، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابو بکرؓ تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک پر کتنا عبور تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں۔ مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

تبلیغ حضرت مصعب بن عمیرؓ

مصعب بن عمیرؓ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر ۵ پر بھی گزر چکا ہے ان کو حضورِ اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ جو سب سے پہلے منٰی کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اسعد بن زُرارہؓ کے پاس اُن کا قیام تھا اور مقرئ (پڑھانے والا، مدرس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ یہ دونوں سرداروں میں تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد نے اُسید سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو

اپنے ساتھ لے آئے ہو جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے۔ بہکاتا ہے۔ وہ اسعد کے پاس گئے اور ان سے سختی سے یہ گفتگو کی۔

اسعدؓ نے کہا کہ تم ان کی بات سن لو، اگر تمہیں پسند آئے قبول کر لو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو تو رد کنے کا مضائقہ نہیں۔ اسید نے کہا کہ

یہ انصاف کی بات ہے۔ سننے لگے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت

اسیدؓ نے کہا کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے۔ جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو تو کس طرح داخل کرتے ہو۔ ان

لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو اور کلمہ شہادت پڑھو۔ حضرت اسیدؓ نے اسی وقت سب کام کئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے

بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمراہ لائے۔ ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی، سعدؓ بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے

ہی اپنی قوم بنو الاشہل کے پاس گئے۔ ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے

افضل اور بہتر ہو۔ اس پر سعدؓ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور

محمد ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلہ اشہل کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعبؓ ان کو تعلیم

دینے میں مشغول ہو گئے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا وہ مستقل ایک مبلغ ہوتا اور جو بات اسلام

کی اس کو آتی تھی اس کو پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا جس میں نہ کھیتی مانع تھی نہ تجارت نہ پیشہ نہ

ملازمت۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی تعلیم

حضرت اُبی بن کعبؓ مشہور صحابہؓ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے لکھناپڑھنا جانتے تھے۔ عرب میں لکھنے کا عام دستور نہیں تھا۔ اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا۔ لیکن یہ پہلے سے واقف تھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔ تہجد میں آٹھ راتوں میں قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے مجھے اِرشاد فرمایا ہے کہ تم قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تیرا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ خوشی سے رونے لگے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو مسجد نبوی میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں ان حلقوں پر گزرتا ہوا ایک حلقہ پر پہنچا جس میں ایک صاحب مسافرانہ ہیئت کے ساتھ دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعبؓ ہیں۔ میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے۔ میں بھی پیچھے ہو لیا، وہاں جا کر دیکھا، ایک پرانا سا گھر خستہ حالت، نہایت معمولی سامان، زاہدانہ زندگی۔ (طبقات) حضرت اُبیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔

حضور ﷺ نے دوبارہ سوال فرمایا۔ مجھے ادب مانع ہوا، میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا آیۃ الکرسی۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا۔ اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے ایک آیت چھوٹ گئی۔ حضرت اُبیؓ نماز میں لقمہ دیا۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا۔ حضرت اُبیؓ نے عرض کیا، میں نے بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرا ابھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔

ف: یہ حضرت اُبیؓ باوجود اس علمی شغف اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں حضور ﷺ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

حضرت حذیفہؓ کا اہتمام فتن

حضرت حذیفہؓ مشہور صحابہ میں ہیں۔ صاحب السّرّ (بھیدی) ان کا لقب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں سب کو نمبر وار بتایا تھا۔ کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور ﷺ نے نہیں چھوڑا بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتداء کا حال مع اس کے نام کے نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں برائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، تاکہ اس سے بچا جائے۔ ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ خیر و خوبی جس پر آجکل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی برائی آنے والی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں برائی آنے والی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حذیفہ اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتباع کر (مجھے فکر سوار تھا) میں

نے عرض کیا یارسول اللہ! اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں پھر بھلائی ہو گی لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہو گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو تو اس کے ساتھ ہو جانا ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا۔ چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضور ﷺ نے سب کا بتلا دیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے لیکن میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا۔ غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہو گا۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو حضرت عمرؓ تحقیق فرماتے کہ حذیفہؓ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اگر حذیفہؓ شریک ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی نماز پڑھتے ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حذیفہؓ کا جب انتقال ہونے لگا نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ دنیا چھوٹنے پر نہیں رو رہا بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں، یا خوشنودی پر۔ اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے۔ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔ (ابو داؤد۔ اسد الغابہ)

حضرت ابوہریرہؓ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابوہریرہؓ نہایت مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور اتنی کثرت سے حدیثیں ان سے نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں

حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اتنی قلیل مدت میں جو تقریباً چار برس ہوتی ہے اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں۔ خود حضرت ابوہریرہؓ اس کی وجہ بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں۔ میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ تھے بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے اس کی مشغولی ان کو در پیش رہتی تھی اور ابوہریرہؓ اصحاب صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا جو حضور اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا اس پر قناعت کیے پڑا رہتا تھا۔ ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے حافظہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، چادر بچھا۔ میں نے چادر بچھائی۔ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا، اس چادر کو ملا لے۔ میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔ (بخاری)

ف: اصحاب صفہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے ان حضرات کے اخراجات کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ گویا حضور ﷺ کے مہمان تھے جو کہیں سے کچھ صدقہ کے طور پر آتا۔ اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ بسا اوقات کئی کئی وقت فاقے کے بھی ان پر گذر جاتے تھے۔ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون کی سی حالت ہو جاتی تھی جیسا کہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۷، ۳ میں گذرا لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابن جوزی نے تلقیح میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے اس کو

دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار احد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس حدیث میں کچھ تردُّد ہوا۔ اُنہوں نے فرمایا، ابوہریرہؓ سوچ کر کہو۔ ان کو غصہ آگیا۔ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپؓ نے حضور ﷺ سے سُنی؟ اُنہوں نے فرمایا۔ ہاں سُنی ہے۔ ابوہریرہؓ فرمانے لگے کہ مجھے حضورؐ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا۔ میں تو حضور اقدس ﷺ کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ بیشک تم ہم لوگوں سے زیادہ حاضر باش تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے (مسند احمد (

اس کے ساتھ ہی ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھی، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہیں کر لیتے تھے۔ (تذکرہ(

قتل مسیلمہ و قرآن کا جمع کرنا

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد مسیلمہ کذاب کا (جس نے حضور ﷺ کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا) اثر بڑھنے لگا اور چونکہ عرب میں اِرتداد بھی زور شور سے شروع ہو گیا تھا اس سے اس کو اور بھی تقویت پہنچی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس سے لڑائی کی حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا۔ لیکن اس لڑائی میں صحابہ کرام رِضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی۔ بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت عمرؓ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے۔ اگر اسی طرح

ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے تو قرآن پاک کا بہت حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ایسے کام کی کیسے جرات کرتے ہو جس کو حضور اقدس ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے بالآخر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے بھی موافق ہو گئی تو حضرت زید بن ثابتؓ کو (جن کا قصہ باب نمبر ۱۸ پر آرہا ہے) بلایا۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اوّل اپنی اور حضرت عمرؓ کی ساری گفتگو نقل فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانش مند، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور رہ چکے ہو۔ اس لئے اس کام کو تم کرو۔ لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر ادھر سے اُدھر منتقل کر دو تو یہ حکم بھی میرے لئے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں جس کو حضور اقدس ﷺ نے نہیں کیا۔ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زیدؓ سے کہا کہ اگر تم عمرؓ کی موافقت کرو تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زیدؓ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ طویل گفتگو کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی جانب شرحِ صدر فرما دیا کہ قرآن پاک کو یکجا جمع کیا جائے چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں لوگوں کے پاس جو قرآن شریف متفرق طور پر لکھا ہوا تھا اور جو ان حضرات صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔ (در منثور(

ف: اس قصہ میں اوّل تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا ان کے لئے سہل تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ اس کے بعد کلام پاک کا جمع کرنا جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمالنامہ

میں رکھا تھا۔ پھر حضرت زیدؓ نے اِتنا اِہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے۔ جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں ان ہی سے جمع کرتے تھے اور حفاظ کے سینوں سے اس کا مقابلہ کرتے تھے اور چونکہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی تلاش میں گو محنت ضرور کرنا پڑی مگر سب مل گیا۔ ابی بن کعبؓ جن کو خود حضور ﷺ نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا ان کی اعانت کرتے تھے۔ اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی احتیاط روایت حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہؓ میں شمار ہیں جو فتویٰ کے مالک تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی۔ تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحب النعل، صاحب الوسادۃ، صاحب المطہرۃ۔ جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی ان کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد رہتی تھیں۔ حضور ﷺ کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناؤں۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعودؓ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے تو ایک زمانہ تک ابن مسعودؓ کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے اس لئے کی اتنی کثرت سے ان کی اور اُن کی والدہ کی آمد و رفت حضور ﷺ کے گھر میں تھی جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے۔ (بخاری)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس رہا۔ میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کرتے نہیں سُنا لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آگیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔ (مقدمہ اوجز المسالک و مسند احمد)

ف: یہ تھی ان حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجودیکہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس حدیث کیلئے جانا

کثیر بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے سُنی ہے۔ ابوالدرداءؓ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ ابوالدرداءؓ نے پھر پوچھا کہ کوئی

دوسری غرض تو نہ تھی۔ کہا نہیں، صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے حق تعالیٰ شانہ اُس کیلئے جنت کا راستہ سہل فرمادیتے ہیں اور فرشتے اپنے پَر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھادیتے ہیں اور طالب علم لے لئے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور علماء، انبیائؑ کے وارث ہیں۔ انبیاءں کسی دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے۔ وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔ (ابن ماجہ(

ف: حضرت ابوالدرداءؓ فقہائے صحابہؓ میں ہیں۔ حکیم الامت کہلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی نبوت کے وقت تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے۔ فرمایا حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداءؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں۔ اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے اور بیماری سے محبت ہے گناہ ڈھلنے کے واسطے (تذکرہ) اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے۔ ان حضرات کے ہاں حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لئے دُور دُور کا سفر طے کر لینا ان حضرات کو بہت سہل تھا۔ شَعبیؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سنائی اور فرمایا کہ

لے، گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لئے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتداء میں حدیث کا مخزن مدینہ طیبہ ہی تھا۔

علمی شغف رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک

مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاری شوال ۱۹۴ھ میں پیدا

ہوئے۔ ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبد اللہ بن مبارک کی سب تصانیف بچپن ہی میں حفظ کر

لی تھیں۔ اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں اُن کو حاصل کر لینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا اس وجہ

سے یتیم تھے والدہ سفر میں ساتھ تھیں۔ اس کے بعد بلخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق ان شہروں میں

گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا حاصل فرمایا اور ایسی نو عمری میں اُستاد حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہ نکلا

تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے صحابہؓ تابعین کے فیصلے تصنیف کئے۔ حاشد رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے ساتھی

کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہم لوگوں کے ساتھ استاد کے پاس جایا کرتے۔ ہم لوگ لکھتے اور بخاری ویسے ہی واپس آجاتے۔

ہم نے کئی روز گذر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو۔ وہ چپ ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دِق ہی کر

دیا۔ لاؤ تم نے کیا لکھا، ہم نے اپنا مجموعہ احادیث نکالا جو پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا۔ اُنہوں نے اس سب کو حفظ سنا دیا۔

ہم دنگ رہ گئے۔

حضرت ابن عباسؓ کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور ﷺ

کا تو وصال ہو گیا۔ ابھی تک صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت موجود ہے، آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ ان انصاری نے کہا، کیا ان

صحابہ کرام کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے صحابہؓ کی بڑی جماعت موجود ہے غرض ان صاحب نے توہمت کی نہیں۔ میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انہوں نے حضور ﷺ سے سُنی ہے، ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا۔ گو ہوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی مگر میں وہیں بیٹھا رہتا۔ جب وہ اٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا، وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی مجھے بُلا لیتے مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں اس لئے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو۔ میں کہتا بہت دیر سے۔ وہ کہتے تم نے برا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا۔ میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ۔ حتیٰ کی ایک وقت میں یہ بھی نوبت آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے۔ تب ان انصاری صاحب کو بھی قلق ہوا۔ کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔ (دارمی)

ف: متفرق علمی کارنامے: یہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے وقت میں حبر الامہ اور بحر العلم کا لقب دلوایا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو طائف میں تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمدؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ آیتوں کے شانِ نزول جاننے میں سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت عمرؓ ان کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جانفشانی کا ثمرہ تھا۔ ورنہ اگر یہ صاحبزدگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے۔ خود آقائے نامدار نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جن سے علم حاصل کرو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ بخاری میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے، وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے جس

شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کر دے یا بیچ دے۔ یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم تن پروری کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغناء کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو شخص خاکساری اور تنگدستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے ڈرتے تھے جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصہ میں جہاں حضرت عبد اللہ بن عباس کے اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی علم کا شغف اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے اس کو حاصل فرماتے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اٹھانا پڑتی اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو در کنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل ہے "مَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِي" جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہو گا راتوں کو جاگے گا۔ حارث بن یزیدؒ، ابن شبرمہؒ، قعقاعؒ، مغیرہؒ چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ امام زہری عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے تو صبح کر دیتے۔ (دارمی) داوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن و تشنیع ہوتی نہ تغلیظ، اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے (مقدمہ) ابن فرات بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ جب انتقال ہوا تو اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحتِ نقل اور

عمدگی،ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجّت بھی ہے۔ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا۔چار جزروزانہ لکھنے کا معمول تھا۔درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا۔اُمراء،وُزراء، سلاطین تک مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا۔اس وجہ سے تکلیفیں بھی اُٹھانا پڑیں۔(تذکرہ) احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کے تراشے جمع کرتے رہتے تھے۔مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔کہتے ہیں کہ صرف غسل میّت کے پانی گرم کرنے ہی کے لئے کافی نہ تھا بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مشہور استاذ ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مشہور مورخ ہیں۔صحابہؓ اور تابعین کے احوال کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق لکھنے کا معمول تھا۔ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط نکلا۔ان کی تاریخ مشہور ہے عام طور سے ملتی ہے۔جب اس کی تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے۔لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی، کہنے لگے تیس ہزار اوراق پر آئے گی۔لوگوں نے کہا، اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا ہو جائیں گی۔کہنے لگے کہ انا اللہ ہمتیں پست پڑ گئیں اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار ورق پر لکھی۔اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا، وہ بھی مشہور ہے اور عام طور پر ملتی ہے۔دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مشہور مصنف ہیں، حدیث حاصل کرنے کے لئے بغداد، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا سفر کیا۔ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے، استاذ پڑھ

رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے۔ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو۔کہنے لگے کی میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے بتاؤ اب تک استاذ نے کتنی حدیثیں سُنائیں۔وہ سوچنے لگے،دارِ قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ حدیثیں سنائی ہیں۔پہلی یہ تھی،دوسری یہ تھی،اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سناویں۔حافظ اثرم رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں،احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشاق تھے،ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔وہاں خراساں کے دو بڑے استاذ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے۔ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یہ دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔حدیث حاصل کرنے میں ان کی محنتیں مشہور ہیں۔خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار استاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔علی ابن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی،میں اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے۔ دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہو گئی،میں کچھ کہتا رہا وہ بھی فرماتے رہے۔وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہو گئی۔حمیدی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں جنہوں نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے۔رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے۔سب سے الگ رہتے تھے۔شاعر بھی ہیں۔ان کے شعر ہیں۔

لِقَآءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا

سِوَى الْهَذَيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّقَالٍ

فَاَقْلِلْ مِنْ لِقَآءِ النَّاسِ اِلَّا

ترجمہ: ۔" لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی بجز قیل وقال کی بکواس کے اس لئے لوگوں کی ملاقات کم کر بجز اس کے علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاح نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو"

اِمام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔ بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرت تصانیف کو دیکھ کر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس برس بوریئے پر گذار دیئے۔ یعنی رات دن بوریئے پر پڑے رہتے تھے۔ ابو العباس شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑی شدت کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا اس میں جتنے محدثین تھے سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا۔ اور جب کوئی باہر سے محدث آتے تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو اپنے پاس نہ ہو تو اس کی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحب کے یہاں تھی جس میں محدث، فقیہ، اہل لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی۔ اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا اُن کی خصوصی شان تھی۔ اور قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ بعض محدثین نے اُن کا امتحان لیا اور چالیس حدیثیں ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً سنا دیں۔ خود امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جزو نقل کئے تھے۔ اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جزو، احادیث کے اُستاذ سے سن بھی لوں۔ اُنہوں نے قبول کرلیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں۔ مگر اُستاذ کی خدمت میں گیا تو بجائے اُن کے دو سادے جزو

ہاتھ میں تھے۔ اُستاذ نے سُنانا شروع کیا۔ اتفاقاً اُن کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادے جزو تھے۔ ناراض ہو کر فرمایا، تمہیں شرم نہیں آتی، میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سُناتے ہیں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ اُستاذ کو یقین نہ آیا، فرمایا اچھا سُناؤ، میں نے سب حدیثیں سُنا دیں۔ فرمایا کہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سُنا دیجئے۔ اُنہوں نے چالیس اور سُنا دیں، میں نے اُن کو بھی فوراً اُسناد یاد اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔ محدثین رحمتہ اللہ علیہ نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں، اُن کو پھیلانے میں کی ہیں اُن کا اتباع تو در کنار اُن کا شمار بھی مشکل ہے۔ قرطمہ رحمتہ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ زیادہ مشہور بھی نہیں۔ ان کے ایک شاگرد داؤد کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے حافظہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہ رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ حافظہ نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا، کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جو نسی دل چاہے اُٹھا لو، میں سُنا دوں گا۔ میں نے کتاب الاشربہ اُٹھائی وہ ہر باب کے اخیر سے اوّل کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سُنا دی۔ ابو زُرعہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن راہویہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ حدیثیں میں نے جمع کی ہیں۔ اور تیس ہزار مجھے از بر یاد ہیں۔ خفاف رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے مجھے لکھوائیں اور پھر اُن کو نمبر وار سُنایا نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ۔ ابو سعد اصبہانی بغدادی سولہ سال کی عمر میں ابو نصر رحمتہ اللہ علیہ کی احادیث سُننے کے لئے بغداد پہنچے۔ راستے میں ان کے انتقال کی خبر سُن کر بے ساختہ رو پڑے، چیخیں نکل گئیں کہ ان کی سَنَد کہاں ملے گی۔ اتنا رنج کہ رونے میں چیخیں نکل جائیں جب ہی ہو سکتا ہے جب کسی چیز کا عشق ہو جائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھوایا کرتے تھے۔ گیارہ حج کئے، جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابو عمر ضریر رحمتہ اللہ علیہ پیدائشی نابینا تھے مگر حفاظ حدیث میں شمار ہیں علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابو الحسین اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں۔ بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سند پڑھتا اس کا متن

یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے تھے۔ شیخ تقی الدین بعلبکی رحمۃ اللہ علیہ نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کرلی تھی اور جمع بین الصحیحین کے بھی حافظ تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ قرآن پاک کے بھی حافظ تھے کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کرلی تھی۔ ابن السُّنی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں، حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ اُن کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دعا کے واسطے اٹھائے اور اسی حالت میں انتقال ہوگیا۔ علامہ ساجی نے بچپن میں فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا، ہرات میں دس برس قیام کیا جس میں چھ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ سے غرائب شُعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا۔ پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علمی قابل قدر ہے کہ اخیر وقت تک پڑھتے رہے۔ ابو عمرو خفاف رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لاکھ حدیثیں ازبر تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ کو چودہ مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے سوا لاکھ آدمیوں کو آواز پہنچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابو مسلم بصری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا۔ سات آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے تھے۔ جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ سُننے والے تھے وہ ان سے علیحدہ۔ فریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ تھے اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے۔ جس میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں، اور ہر حدیث لکھتے وقت دو رکعت نفل نماز

پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو وہاں کے محدثین نے ان کا امتحان لیا، اس طرح کہ آدمی متعین ہوئے ان میں ہر شخص

نے دس دس حدیثیں چھانٹیں ان کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ سوال کے جواب میں ــ" مجھے معلوم نہیں" کہتے رہے۔ جب

دس کے دس پوچھ چکے تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی تم

نے اس طرح بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے دوسری حدیث یہ پوچھی تھی وہ اس طرح تم نے بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس

طرح ہے غرض اسی طرح سو کی سو حدیثیں ترتیب وار بیان فرمادیں کہ ہر حدیث کو اول اس طرح پڑھتے جس طرح امتحان لینے والے

نے پڑھا تھا پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی۔

اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر مسلم شریف تصنیف کی ہے جس میں

بارہ ہزار حدیثیں ہیں۔ امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سُنی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے سنن ابو

داؤد شریف تصنیف کی ہے جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ یوسف مزی رحمتہ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔ اسمائے رجال کے

امام ہیں۔ اول اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حلب۔ حمات بعلبک وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت

سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ تہذیب الکمال دو سو جلدوں میں تصنیف کی اور کتاب الاطراف اسی ۸۰ جلدوں سے زیادہ میں۔ ان کی

عادت شریفہ تھی کی اکثر چُپ رہتے، بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے۔ اکثر اوقات کتاب کے دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔

حاسدوں کی عداوت کا شکار بھی بنے مگر انتقام نہیں لیا۔ ان حضرات کے حالات کا احاطہ دُشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور

جانفشانیوں کا احاطہ نہیں کر سکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار واقعات کا ذکر اس لئے کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ علم

حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس تک نہایت آب و تاب سے باقی ہے وہ کس محنت اور جانفشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم

حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اپنے آپ کی طالب علم کہتے ہیں وہ کتنی محنت اور مشقت اس لئے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ

چاہیں کہ ہم اپنی عیش و عشرت، راحت و آرام، سیر و تفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل میں لگے رہیں اور حضور ﷺ کے پاک کلام

کا یہ شیوع اسی طرح باقی رہے تو "ایں خیال است و محال است و جنون" کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

نواں باب

حضور ﷺ کی فرماں برداری اور امتثالِ حکم

اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا منشا مبارک کیا ہے۔ ویسے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل فرماں برداری تھا اور گذشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے۔ لیکن خاص طور سے چند قصے اس باب میں اس لئے ذکر کئے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا اس باب سے خاص طور پر مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری کہاں تک کرتے ہیں جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات و ترقیات اور ثمرات جو صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوتے تھے وہ ہمیں بھی حاصل ہوں۔ اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنّی ہیں تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہئیے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا چادر کو جلادینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے اوپر ایک چادر تھی جو کُسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، یہ کیا اوڑھ رکھا ہے۔ مجھے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے۔ میں گھر والوں کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے چولھا جلا رکھا تھا۔ میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ چادر کیا

ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنادی۔ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ نہ تھا۔ (ابوداؤد)

ف: اگرچہ چادر کے جلانے کی ضرورت نہ تھی مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں مجھ جیسا نالائق ہوتا، تو نامعلوم کتنے احتمالات پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس وجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور حضور ﷺ نے پوچھا ہی تو ہے منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

انصاری کا مکان کو ڈھا دینا

حضور اقدس ﷺ مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک قُبّہ (گنبد دار حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قُبّہ بنایا ہے۔ حضور ﷺ سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے اعراض فرمایا، اور سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ اُنہوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے۔ صحابہؓ سے جو وہاں موجود تھے، دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کیا، کہ میں آج حضور ﷺ کی نظروں کو پھیرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں تمہارا قُبّہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے۔ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ

کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور ﷺ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کہ انصاری نے آنحضرت ﷺ کے اِعراض کا کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا۔ ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے انہوں نے آکر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔ (ابوداؤد)

ف: یہ کمال عشق کی باتیں ہیں ان حضرات کو اس کو تحمل نہیں تھا کہ چہرۂ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور ﷺ کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابیؓ نے قبہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپ ﷺ کی خوشی کے واسطے گرا دیا بلکہ جب حضور ﷺ کا خود ہی اتفاق سے ادھر کو تشریف لے جانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا۔ حضور ﷺ کو تعمیر میں روپے کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواج مطہراتؓ کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے بنے تھے جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جاسکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں سفر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ کو کچھ ثروت حاصل تھی، انہوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچی اینٹیں لگا لیں۔ واپسی پر جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا احتمال رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو، تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہوگئی تھی درست کر رہے تھے، حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔ (ابوداؤد)

صحابہؓ کا سرخ چادروں کو اتارنا

حضرت رافعؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس ﷺ کے ہم رکاب تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سُرخ ڈورے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دم ایسے گھبرا کے اُٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اُونٹ بھی ادھر اُدھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اُتار لیں۔ (ابوداؤد)

ف: صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہاں ہماری زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی۔ عروہ بن مسعودؓ جب صلح حدیبیہ میں (جس کا قصہ باب ا کے نمبر ۳ پر گذرا) کفار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے تو مسلمانوں کی حالت کا بڑی غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکہ واپس جا کر کفار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں قاصد بن کر گیا ہوں۔ فارس، روم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ملا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے۔ کبھی ان کا بلغم زمین پر گرنے نہیں دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر ملنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں گویا آپس میں جنگ وجدل ہو جاوے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی طرف عظمت کی وجہ سے نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت وائلؓ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے میں سامنے آیا تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا ذُباب ذُباب۔ میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور اُن کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن اچھا کیا۔ (ابوداؤد(

ف: ذُباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں اور بری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر مر مٹنے کی بات ہے کہ منشاء سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوئی تھی۔ یہاں حضورﷺ نے ارشاد ہی فرمادیا کہ تم کو نہیں کہا تھا مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کی دیر ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حاضر خدمت ہوئے، حضورﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے حسبِ معمول سلام کیا چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا۔ حضورﷺ نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آکر مختلف خیالات نے مجھے آگھیرا۔ کبھی سوچتا فلاں بات سے ناراضی ہوئی، کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی۔ آخر حضورﷺ نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے اس لئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ تب جان میں جان آئی۔

حضرت سہیلؓ بن حنظلیہؓ کی عادت اور خریمؓ کا بال کٹوا دینا

دمشق میں سہیلؓ بن حنظلیہ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے جو نہایت یکسو تھے۔ بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں مسجد میں آتے جاتے۔ راستہ میں حضرت ابوالدرداءؓ پر جو مشہور صحابی ہیں گذر ہوتا۔ ابوالدرداءؓ فرماتے کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جاؤ تمہیں کوئی نقصان نہیں ہمیں نفع ہو جائے گا۔ تو وہ کوئی واقعہ حضورﷺ کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح جا رہے تھے، ابوالدرداءؓ نے معمول کے موافق درخواست کی

کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خریم اسدی اچھا آدمی ہے۔ اگر دو باتیں نہ ہوں۔ ایک سر کے بال بہت بڑے رہتے ہیں دوسرے لنگی ٹخنوں کے نیچے باندھتا ہے۔ ان کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی۔ (ابوداؤد(

ف: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان دونوں باتوں کا ارشاد فرمایا اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب سے نہ ہوں گی۔ مگر دونوں روایتوں میں کچھ اشکال نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ خود ان سے ارشاد فرمایا ہو اور غیبت میں بھی ارشاد فرمایا ہو جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کر دیا۔

حضرت ابن عمرؓ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابن عمرؓ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالیں گی آزادی اور فساد و آوارگی کا۔ حضرت ابن عمرؓ بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضور ﷺ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے ان صاحبزادے سے بولنا چھوڑ دیا۔ (ابوداؤد(

ف: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ بنالیں گی، اپنے زمانہ کی حالت دیکھ کر تھا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضور ﷺ اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے حالانکہ حضرت عائشہ کا زمانہ حضور اقدس ﷺ کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمرؓ کو اس کا تحمل نہیں ہو سکا کہ حضور ﷺ کے

ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردُّد کیا جائے اور صرف اس بات پر کہ حضور ﷺ کے ارشاد پر انہوں نے انکار کیا عمر بھر نہیں بولے اور

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں دقتیں اٹھانا پڑیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے جو ان

کی جان تھی، مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا، اجازت بھی مشکل

تھی چنانچہ حضرت عاتکہؓ جن کے کئی نکاح ہوئے جن میں سے حضرت عمرؓ سے بھی ہوا وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں اور حضرت

عمرؓ کو گراں ہوتا تھا۔ کسی نے ان کو کہا کہ عمرؓ کو گراں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کو گراں ہے تو منع کر دیں حضرت عمرؓ کے

وصال کے بعد حضرت زبیرؓ سے نکاح ہوا۔ ان کو بھی یہ چیز گراں تھی مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ

جہاں کو جاتی تھیں، راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس سے گذریں تو ان کو چھیڑا خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا ہی مگر ان کو خبر نہ

ہوئی۔ اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیرؓ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں

جانا چھوڑ دیا؟ کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا۔

حضرت ابن عمرؓ سے سوال کہ نماز قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی،

مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ برادر زادہ اللہ جل شانہٗ نے حضور اقدس ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا، ہم لوگ انجان تھے کچھ

نہیں جانتے تھے بس جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہ کریں گے (شفا)

ف: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صراحۃً قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں۔ عمل کے واسطے حضور اقدس ﷺ سے

ثابت ہو جانا کافی ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کے برابر اور احکام دیئے گئے۔

عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدّوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑ لو جو اس میں احکام ہیں ان پر عمل کرو(ابو داؤد(

ف: پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد خیال دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مغفلؓ کا خذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبداللہ بن مغفلؓ کا ایک نو عمر بھتیجہ خذف سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادر زادہ ایسا نہ کرو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہو سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضور ﷺ کا ارشاد سناتا ہوں۔ تو پھر اسی کام کو کرتا ہے۔ خدا کی قسم تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے خدا کی قسم نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت کروں گا۔ (سنن ابن ماجہ و دارمی)

ف: خذف اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینک دیا جائے بچوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے۔ ہاں آنکھ میں کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو اس کو زخمی کر ہی دے۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کو اس کا تحمل نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کا ارشاد سنانے کے بعد بھی وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور ﷺ کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کا سوال نہ کرنے کا عہد

حکیم بن حزامؓ ایک صحابی ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ طلب کیا، حضور ﷺ نے عطا فرمایا پھر کسی موقع پر کچھ مانگا، حضور ﷺ نے پھر مرحمت فرمادیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا، حضور ﷺ نے عطا فرمادیا اور یہ ارشاد فرمایا حکیم یہ مال سبز باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے مگر اُس کا دستور یہ ہے کہ اگر دل کے اِستغناء سے ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیمؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حکیمؓ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار اصرار کیا مگر اُنہوں نے انکار ہی فرمادیا۔ (سنن ابن ماجہ(

ف: یہی وجہ ہے کہ آجکل ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ کا جاسوسی کے لئے جانا

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکہ کے کفار اور ان کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لئے تیار تھے اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنو قریظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تلے ہوئے تھے جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل وعیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضور اقدس ﷺ ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرمادیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی اور نہ اس کے بعد۔ اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس

والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے

تھے۔ ہم تین سو کا مجمع اسی جگہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے اور اسی اندھیری میں ہر طرف

تحقیقات فرما رہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس کو حضور ﷺ کا گذر ہوا۔ میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ

سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں بیوی کی

تھی۔ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کون ہے۔ میں نے عرض کیا

حذیفہؓ مگر مجھ سے سردی کے مارے اُٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُٹھ کھڑا ہو

اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ

حال تھا۔ مگر تعمیل ارشاد میں اُٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضور ﷺ نے دعا دی۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ

خَلْفِهِ وَ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ مِنْ فَوْقِهِ وَ مِنْ تَحْتِهِ،، یا اللہ آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں

سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے۔،، حذیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد فرمانا تھا کہ گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی

جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت

نہ کر کے آئیو۔ چپ چاپ دیکھ کر آجائو کہ کیا ہو رہا ہے، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔ ایک شخص

آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ پر پھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے واپس چل دو، واپس چل دو کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے قبیلہ والوں

کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیا

ں ٹوٹی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے۔ ابو سفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا آگ پر

سینک رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں۔ ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا، مگر پھر

حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کی جیو دیکھ کر چلے آنا۔ اس لئے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا۔ ان کو شبہ ہو گیا کہنے لگے، تم میں سے کوئی جاسوس ہے ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے، میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا، تو کون؟ وہ کہنے لگا، سبحان اللہ تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں ہوں۔ میں وہاں سے واپس آیا۔ جب آدھے راستہ پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے۔ انہوں نے کہا، اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا بے فکر رہیں۔ میں واپس پہنچا تو حضور ﷺ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضور ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا۔ جاسوس کا قصہ سن کر دندان مبارک چمکنے لگے۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینہ کو حضور ﷺ کے تلووں سے چمٹا لیا۔ (در منثور)

ف: ان ہی حضرات کا یہ حصہ تھا اور ان ہی کو زیبا تھا کہ اس قدر سختیوں اور دقتوں کی حالت میں بھی تعمیل ارشاد تن، من جان مال سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اللہ جل شانہ بلا استحقاق اور بلا اہلیت مجھ ناپاک کو بھی ان کے اتباع کا کوئی حصہ نصیب فرما دیں تو زہے قسمت۔

دسواں باب

عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے۔ اس کے بر خلاف ہمارے زمانہ میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جس میں اُس پر دین کے خلاف اثر پڑے یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے۔ جب ایسے ماحول میں ابتدائی زندگی گذرے گی تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے وہ ظاہر ہیں۔

تسبیحات حضرت فاطمہؓ

حضرت علیؓ نے اپنے شاگرد سے فرمایا میں تمہیں اپنا اور فاطمہؓ کا جو حضور ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں قصہ سناؤں۔ شاگرد نے کہا ضرور۔ فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے اور خود پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں جس کی وجہ سے سینہ پر مشک کی رسی کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں، میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ تم بھی جا کر حضور ﷺ سے ایک خدمت گار مانگ لو تا کہ تم کو کچھ مدد مل جاوے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی۔ اس لئے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی، واپس آ گئیں۔ دوسرے دن حضور اقدس ﷺ خود تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا کہ فاطمہ کل تم کس کام کے لئے گئی تھیں۔ وہ شرم کی وجہ سے چپ ہو گئیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان کی یہ حالت ہے کہ چکی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور مشک کی وجہ سے سینہ پر رسی سے نشان ہو گئے ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں۔ میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپؐ کے پاس خادم آئے ہوئے ہیں ایک یہ بھی مانگ لیں اس لئے گئی تھیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے اور علیؓ کے پاس ایک ہی بستر ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے۔ رات کو اس کو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اسی پر گھاس دانہ ڈال کر

اونٹ کو کھلاتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی بیوی کے پاس دس برس تک ایک ہی بچھونا (بستر ہ) تھا۔ وہ بھی حضرت موسیٰؑ کا چوغہ تھا۔ رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے۔ تو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوں ۔(ابو داؤد)

ف: یعنی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میرے بارہ میں ہو مجھے بخوشی منظور ہے۔ یہ تھی زندگی دو جہاں کے بادشاہ کی بیٹی کی۔ آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسہ ہو جائیں تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج درکنار اپنا کام بھی نہ کر سکیں۔ پاخانہ میں لوٹا بھی ماما ہی رکھ کر آئے۔ اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بھی آیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا صدقہ

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو گونین درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ حضرت عائشہؓ نے طباق منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے۔ ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا۔ خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت باندی نے کہا کہ افطار کے لئے کچھ لے آؤ۔ وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لے آئیں اور عرض کرنے لگیں،

کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں۔ آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے۔ فرمانے لگیں، اب طعن دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی۔ (تذکرہ)

ف: حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس نوع کے نذرانہ امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے۔ کیونکہ زمانہ فتوحات کی کثرت کا تھا۔ مکانوں میں غلہ کی طرح سے اشرفیوں کے انبار پڑے رہتے تھے اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گذاری جاتی تھی حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی ماما کے یاد دلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ہزار روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور خیال بھی نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ سے سچا ہونے میں تردد ہونے لگا لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے۔ ان کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود حضرت عائشہؓ کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔ ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک فقیر نے آکر سوال کیا، خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دے دو۔ اس نے عرض کیا کہ افطار کے لئے گھر میں کچھ بھی نہیں، فرمایا، کیا مضائقہ ہے، وہ روٹی اس کو دے دو۔ اس نے دیدی۔ (موطا)

ایک مرتبہ ایک سانپ مار دیا۔ خواب میں دیکھا کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا فرمایا، اگر مسلمان ہوتا تو حضور ﷺ کی بیویوں کے یہاں نہ آتا۔ اس نے کہا، مگر پردے کی حالت میں آیا تھا، اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور بارہ ہزار درہم جو ایک آدمی کا خون بہا ہوتے ہیں صدقے کئے۔ عُروہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ستر ۷۰ ہزار درہم صدقہ کئے اور اپنے کرتہ میں پیوند لگ رہا تھا۔ (طبقات)

حضرت ابن زبیرؓ کا حضرت عائشہؓ کو صدقہ سے روکنا

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ سے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں انہوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا

تھا۔ حضرت عائشہؓ کی اس فیاضی سے پریشان ہو کر کہ خود تکلیفیں اُٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہہ دیا کہ خالہ کا ہاتھ

کسی طرح روکنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو بھی یہ فقرہ پہنچ گیا۔ اس پر ناراض ہو گئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے نہ بولنے کی

نذر کے طور پر قسم کھائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا۔ بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر

انہوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب عبداللہ بن زبیرؓ بہت ہی پریشان ہوئے تو حضور اقدس ﷺ کی ننھیال کے دو حضرات کو

سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے۔ یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لئے، جب دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے

اور حضرت عائشہؓ پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت

روئے اور خوشامد کی۔ وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور ﷺ کے

ارشادات یاد دلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے وہ سناتے رہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ ان احادیث میں جو

ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب وارد ہوا، اُس کی تاب نہ لا سکیں اور رونے لگیں۔ آخر معاف فرمایا اور بولنے لگیں۔

لیکن اپنی اس قسم کے کفارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ چالیس غلام آزاد کئے اور جب بھی اس قسم توڑنے کا خیال آتا، اتنا

روتیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ (بخاری)

ف: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھا لیتے ہیں اور پھر اس کی کتنی پرواہ کرتے ہیں، اس کا جواب

اپنے ہی سوچنے کا ہے۔ دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتاوے لیکن جن لوگوں کے ہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے، اور اللہ

سے عہد کر لینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گذرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا تو بہت زیادہ روتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی حالت اللہ کے خوف سے

حضرت عائشہؓ سے حضور اقدس ﷺ کو جتنی محبت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہؓ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہؓ مسائل کی تحقیق کے لئے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ ان کو سلام کرتے تھے۔ جنت میں بھی حضرت عائشہؓ کو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ منافقوں نے آپؓ پر تہمت لگائی تو قرآن شریف میں آپؓ کی براءۃ نازل ہوئی۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی اُن میں شریک نہیں، ابن سعدؒ نے ان کو مفصل نقل کیا ہے۔ صدقہ کی کیفیت پہلے قصوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا، فرمایا کرتیں کہ کاش میں درخت ہی ہو جاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش میں پتھر ہوتی، کاش میں مٹی کا ڈلا ہوتی، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی، کاش میں درخت کا پتا ہوتی، کاش میں کوئی گھاس ہوتی۔ (بخاری)

ف: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں چھٹے قصہ میں بھی گذر چکا ہے۔ ان حضرات کی یہ عام حالت تھی۔ اللہ سے ڈرنا انہیں کا حصہ تھا۔

حضرت ام سلمہؓ کے خاوند کی دعا اور ہجرت

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ حضور اقدس ﷺ سے پہلے حضرت ابو سلمہ صحابیؓ کے نکاح میں تھیں۔ دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا۔ جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ام سلمہؓ نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت نے (اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے تو اس میں دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کو اختیار دیدیا جاوے گا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کرلے۔ یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن عورتوں کے دونوں خاوند برابر ہوں ان کے حق میں پہلی حدیث ہو۔ اس بارہ میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی۔) مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اس کو ملے گی۔ اس لئے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مر جائے تو دوسرا نکاح نہ کرے۔ ابو سلمہؓ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی، ام سلمہؓ نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کر رہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ ابو سلمہؓ نے کہا کہ تو میرے بعد نکاح کرلینا۔ پھر دعا کی کہ یا اللہ میرے بعد اُمّ سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اس کو رنج پہنچائے اور نہ تکلیف دے۔ ابتدائے اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ جس کا مفصل قصہ خود ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہؓ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر چلے۔ میرے میکے کے لوگوں بنو مغیرہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں، کہ یہ شہر در شہر پھرے۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے، میرے سسرال کے لوگ بنو عبدالاسد کو جو ابو سلمہؓ کے رشتہ دار تھے جب اس قصہ کی خبر ملی تو وہ میرے میکہ والوں بنو مغیرہ والوں سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے مگر ہم اپنے لڑکے سلمہؓ کو تمہارے پاس کیوں

چھوڑ دیں جب کہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ ؓ کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب

میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہوگئے۔ خاوند تو مدینہ چلے گئے۔ میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا ددھیال میں پہنچ گیا۔ میں

روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گذر گیا۔ نہ میں خاوند کے پاس جا سکی نہ بچہ مجھے

مل سکا۔ ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ

اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ غرض میرے چچازاد بھائی نے کہہ سن کر اس بات پر ان

سب کو راضی کر لیا۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ یہ دیکھ کر بنو عبدالاسعد نے بھی

لڑکا دے دیا۔ میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لیکر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی۔ تین چار میل چلی تھی کہ تنعیم

میں عثمان بن طلحہ مجھے ملے۔ مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جارہی ہو؟ میں نے کہا کہ اپنے خاوند کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔ انہوں نے

کہا کہ کوئی تمہارے ساتھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے

آگے چل دیئے۔ خدا پاک کی قسم مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا۔ جب اُترنے کا وقت ہوتا وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود

علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے۔ میں اُتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے،

میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آکر نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے۔ اسی طرح ہم مدینہ منورہ پہنچے، جب قبا میں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ

تمہارا خاوند یہیں ہے۔ اس وقت تک ابو سلمہ ؓ قبا ہی میں مقیم تھے۔ عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکہ مکرمہ واپس ہوگئے۔ پھر کہا کہ خدا کی

قسم عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی شاید

ہی کسی نے کی ہو۔ (اسد الغابہ)

ف: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیا کر دیا۔ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ جل شانہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو تو تنہا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ہجرت فرض ہو۔ اس لئے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

حضرت ام زیادؓ کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی، جس کے واقعات کثرت سے نقل کئے جاتے ہیں۔ عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا پہنچ جاتیں۔ ام زیادؓ کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کے لئے چل دیں۔ حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا۔ حضور ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم کو اون بننا آیا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں، اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دیں گی، اور جو بیمار ہو گا اس کی دوا دارو کی مدد ہو سکے گی۔ ستو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دیں گی۔ حضور ﷺ نے ٹھہر جانے کی اجازت دیدی (ابوداؤد)

ف: حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا ولولہ اور جرأت پیدا فرمائی تھی جو آجکل مردوں میں بھی نہیں ہے۔ دیکھئے یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہنچ گئیں اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کر لئے۔ حُنین کی لڑائی میں ام سلیمؓ باوجودیکہ حاملہ تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہؓ پیٹ میں تھے، شریک ہوئیں اور ایک خنجر ساتھ لے رہتی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ یہ کس لئے

ہے، عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئے گا تو اس کے پیٹ میں بھونک دوں گی۔ اس سے پہلے احد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی دوا دارو اور بیماروں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ نہایت مستعدی سے مشک بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور جب خالی ہو جاتی تو پھر بھر لاتیں۔

حضرت اُمّ حرام کی غزوۃ البحر میں شرکت کی تمنا

حضرت اُمّ حرامؓ حضرت انسؓ کی خالہ تھیں۔ حضور اقدس ﷺ کثرت سے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی دوپہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ اُن کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے اُٹھے۔ اُمّ حرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس بات پر آپ مسکرا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمّت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائے گئے جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔ ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دُعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی ان میں شامل کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم بھی ان میں شامل ہو گی۔ اس کے بعد پھر حضور ﷺ نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے۔ اُمّ حرامؓ نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا، آپ ﷺ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا۔ اُمّ حرامؓ نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ دُعا فرماویں کہ میں بھی ان میں ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں امیر معاویہؓ نے جو شام کے حاکم تھے جزائر قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی، امیر معاویہؓ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا جس میں اُمّ حرامؓ بھی اپنے خاوند حضرت عبادہؓ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بدکا اور یہ اس پر سے گر گئیں، جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔ (بخاری)

ف: یہ ولولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دعا کراتی تھیں مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعین تھا اس لئے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہو سکی اور اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس میں شرکت کی دعا بھی نہ فرمائی تھی۔

حضرت ام سلیمؓ کا لڑکے کے مرنے پر عمل

ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ تھیں جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انسؓ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہو گئی تھیں اور حضرت انسؓ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابو طلحہؓ سے نکاح کیا جن سے ایک صاحبزادہ ابو عمیرؓ پیدا ہوئے جن سے حضور اقدس ﷺ جب ان کے گھر تشریف لے جاتے ہنسی بھی فرماتے تھے، اتفاق سے ابو عمیرؓ کا انتقال ہو گیا۔ ام سلیمؓ نے ان کو نہلایا دُھلایا، کفن پہنایا اور ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ ابو طلحہؓ کا روزہ تھا۔ ام سلیمؓ نے ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا۔ خوشبو وغیرہ لگائی۔ رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا۔ بچہ کا حال پوچھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب سکون معلوم ہوتا ہے بالکل اچھا ہو گیا۔ وہ بے فکر ہو گئے، رات کو خاوند نے صحبت بھی کی، صبح کو جب وہ اُٹھے تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی۔ اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دیدے، پھر وہ اُسے واپس لینے لگے تو واپس کر دینا چاہیے یا اُسے روک لے واپس نہ کرے وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہیے، روکنے کا کیا حق ہے مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے۔ یہ سن کر اُم سلیمؓ نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا وہ اللہ نے لے لیا۔ ابو طلحہؓ کو اس پر رنج ہوا اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ دی صبح کو حضور ﷺ کی خدمت میں ابو طلحہؓ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہ اس رات میں

برکت عطا فرماویں۔ ایک انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبد اللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے، جن کے نو بچے ہوئے اور سب نے قرآن شریف پڑھا (بخاری و فتح الباری)

ف: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہے کہ اپنا بچہ مر جائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے چونکہ خاوند کا روزہ تھا اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہو گا۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ حضور اقدس ﷺ سے پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی۔ وہاں جا کر خاوند مرتد ہو گیا اور اسی حالت میں ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ میں ہی گذارا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہیں نکاح کا پیغام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا۔ جیسا کہ باب کے ختم پر بیبیوں کے بیان میں آئے گا۔ نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں اُن کے باپ ابو سفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضور ﷺ سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے وہاں بستر بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہؓ نے وہ بستر الٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اُس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا یا میں بستر کے قابل نہیں تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول ﷺ کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں۔ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بُری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں۔ مگر حضرت ام حبیبہؓ کے دل میں حضور ﷺ کی جو عظمت تھی اس لحاظ سے وہ کب اُس کو گوارا کر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو، حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے چاشت

کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھادیا۔ ان کے والد بھی جن کا قصہ ابھی گذرا ہے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت نہ رغبت، مگر میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سُنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں خاوند کے لئے چار مہینہ دس دن ہیں۔ اسلئے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا تو حضرت عائشہؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سوکن کا تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی نہ کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ مجھے بھی معاف فرما دیں اور تمہیں بھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تمہیں سب معاف کرے اور در گذر فرمائیں۔ یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت ہی خوشی پہنچائی اللہ تمہیں بھی خوش و خرم رکھے۔ اس کے بعد اسی طرح اُم سلمہؓ کے پاس بھی آدمی بھیجا۔ (طبقات)

ف: سوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں۔ مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو وہ یہیں نمٹ جائے۔ آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور ﷺ کی محبت اور عظمت کا اندازہ تو اس بستر کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

حضرت زینبؓ کا اِفک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا

اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ رشتہ میں حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابتداء میں نکاح حضرت زیدؓ سے ہوا جو حضور ﷺ سے آزاد کئے ہوئے غلام تھے۔ اور حضور ﷺ کے متبنّٰی بھی تھے (جسکو لے پالک کہتے ہیں) اسی وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے مگر حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نباہ نہ ہو سکا تو انہوں نے طلاق

دے دی۔ حضور اقدس ﷺ نے اس خیال سے کہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے وہ یہ کہ متبنیٰ بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ میں اپنے ربّ سے مشورہ کر لوں۔ یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی۔ جس کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ جل شانہ نے خود حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کیا اور قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا "پس جب زیدؓ نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کر لیا تو ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا تاکہ نہ رہے مومنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارہ میں جب کہ وہ اپنی حاجت ان سے پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہا" جب حضرت زینبؓ کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوشخبری دی گئی تو جس نے بشارت دی تھی، اس کو وہ زیور نکال کر دیدیا جو وہ اس وقت پہن رہی تھیں اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی منت مانی۔ حضرت زینبؓ کو اس بات کا بجا طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح ان کے عزیز رشتہ داروں نے کیا مگر حضرت زینبؓ کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآن پاک میں نازل ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا اور ان کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہؓ پر تہمت کے قصہ میں جب حضور اقدس ﷺ نے منجملہ اوروں کے ان سے بھی دریافت کیا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ یہ تھی سچی دین داری ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا۔ بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی مگر اس کے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی۔ حضرت زینبؓ بڑی بزرگ تھیں۔ روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں اور جو حاصل ہوتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضور ﷺ سے وصال کے وقت ازواج مطہرات نے پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون سی

بیوی ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا ہاتھ لمبا ہو۔ وہ لکڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینبؓ ہی کا وصال ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ازواج مطہرات کی تنخواہ مقرر فرمائی اور ان کے پاس ان کے حصے کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے۔ تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہے فرمانے لگیں تقسیم کیلئے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں، قاصد نے کہا، کہ یہ سب آپ ہی کا حصہ ہے اور تمام سال کے لئے ہے تو تعجب سے کہنے لگیں، سبحان اللہ اور منہ پر کپڑا ڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا ڈلوا دیا۔ پھر برزہؓ سے فرمایا (جو اس قصہ کو نقل کر رہے ہیں) کہ اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ دار اور غریبوں، بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم فرما دیا۔ اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہؓ نے بھی خواہش ظاہر کی، فرمایا جو کپڑے کے نیچے رہ گیا وہ تم لے جاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لے کر گنا تو چوراسی درہم تھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی فتنہ ہے چنانچہ دوسرے سال تنخواہ آنے سے پہلے ہی ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کر دیئے گئے تو انہوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں۔ انہوں نے وہ بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ باوجود کثرت فتوحات کے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ تھا جس میں رہتی تھیں۔ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے ماوی المساکین (مساکین کا ٹھکانہ) ان کا لقب تھا۔ (طبقات ابن سعد) ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینبؓ کے یہاں تھی اور ہم گیروے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے۔ حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ کو خیال پیدا ہوا کہ حضور ﷺ کہ یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھو ڈالا۔ دوسرے موقع پر حضور ﷺ تشریف لائے، جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے تو اندر تشریف لائے۔ (ابوداؤد)

ف: عورتوں کو بالخصوص مال جو محبت ہوتی ہے وہ بھی مخفی نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو انس ہوتا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور ﷺ کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھوڈالا۔

حضرت خنساءؓ کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساءؓ مشہور شاعرہ ہیں۔ اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں۔ ابن اثیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ١٦ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی، جس میں خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت ابھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دھبہ لگایا، نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آخرت کہ باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہو جانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ترجمہ: " اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار ہو، تاکہ تم پورے کامیاب ہو" (بیان القرآن) لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح و سالم اُٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو، اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ انشاء اللہ جنت میں اکرام کے

ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے۔ چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبر وار آگے بڑھتا تھا اور اپنی

ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہو جاتا تھا تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا۔

بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت سے

مجھے شرف بخشا۔ مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ (اسد الغابہ (

ف: ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانے کی ترغیب دیں

اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آجائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

حضرت صفیہؓ کا یہودی کو تنہا مارنا

حضرت صفیہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ احد کی لڑائی میں شریک ہوئیں اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے تو وہ برچھا ان کے منہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں حضور اقدس ﷺ نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو بطور محافظ کے چھوڑ دیا تھا۔ یہود کے لئے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی۔ یہود کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ پر پہنچا۔ حضرت صفیہؓ نے کہیں سے دیکھ لیا۔ حضرت حسانؓ سے کہا کہ یہ یہودی موقع دیکھنے آیا ہے تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو۔ وہ ضعیف تھے۔ ضعف کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت صفیہؓ نے ایک خیمہ کا کھونٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اس کا سر کچل دیا۔ پھر قلعہ میں واپس آکر حضرت حسانؓ سے کہا کہ چونکہ وہ یہودی مرد تھا، نامحرم ہونے کی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اتارے تم اس کے سب کپڑے اُتار لاؤ اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ۔ حضرت حسانؓ ضعیف تھے جس کی وجہ سے

اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے۔ تو دوبارہ تشریف لے گئیں اور اس کا سر کاٹ لائیں اور دیوار پر سے یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھے تھے کہ محمد (ﷺ) عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ضرور اُن کے محافظ مرد اندر موجود ہیں۔ (اسد الغابہ)

ف: ۲۰ھ میں حضرت صفیہؓ کا وصال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر تہتر '۷۳' سال کی تھی۔ اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵ھ میں ہوئی اُن کی عمر اٹھاون '۵۸' سال کی ہوئی۔ آج کل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام کاج بھی دو بھر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک مرد کا اس طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع۔

حضرت اَسماءؓ کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال

اَسماءؓ بنت یزید انصاری صحابیہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بیشک آپ ﷺ کو اللہ جل شانہ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ اس لئے ہم عورتوں کی جماعت آپ ﷺ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی۔ لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے، پردوں میں بند رہتی ہے، مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہے۔ ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اُٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں۔ جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شریک ہوتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، اُن کے لئے کپڑا بنتی ہیں، اُن کی

اولاد کو پالتی ہیں۔ کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟ حضور اقدس ﷺ یہ سُن کر صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارہ میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سُنی؟ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تُجھ کو بھیجا ہے اُن کو بتادے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسماءؓ یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی واپس ہو گئیں۔ (اسد الغابہ)

ف: عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ صحابہ کرام] نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ حضور ﷺ نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہو کر علیحدہ رات

گذارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آدمیوں کی نماز قبولیت کے لئے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سر سے اوپر ہو جائے، ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہو اور ایک وہ عورت جو کہ خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔

حضرت اُمّ عمارہؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت

حضرت اُم عمارہ انصاریہؓ ان عورتوں میں ہیں جو شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور بیعۃ العقبہ میں شریک ہوئیں۔ عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں۔ حضور ﷺ اول چھپ کر مسلمان کرتے تھے کیونکہ مشرک و کافر لوگ نو مسلموں کو سخت تکلیف پہنچاتے تھے۔ مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور منیٰ کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں ان میں یہ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ بالخصوص احد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضا، حنین اور یمامہ کی لڑائی میں۔ احد کی لڑائی کا قصہ خود ہی سُناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر احد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری اور کوئی پیاسا زخمی ملا تو پانی پلا دو گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس '۴۳' برس کی تھی۔ ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے۔ مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا۔ مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کو غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رخ کرتا تھا اس کو ہٹاتی تھی۔ ابتداء میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی بعد میں ملی، جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں، کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا، جس کے اندر مختلف چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔ جب کوئی زخمی ہو جاتا تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں۔ بارہ تیرہ جگہ زخم آئے جن میں ایک بہت سخت تھا۔ اُم سعیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح پڑا تھا، کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ اِدھر اُدھر پریشان پھر رہے تھے تو ابن قمیہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں، مجھے

کوئی بتادو کہ کدھر ہیں؟! اگر آج وہ بچ گئے تو میری نجات نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ اور چند آدمی اس کے سامنے آگئے ان میں میں بھی تھی۔ اُس نے میرے مونڈھے پر وار کیا۔ میں نے بھی اس پر کئی وار کئے مگر اس پر دوہری زرہ تھی اس لئے زرہ سے حملہ رُک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا۔ اسی دوران میں حضور ﷺ نے حمراء الاسد کی لڑائی کا اعلان فرمادیا۔ اُم عمارہؓ بھی کمر باندھ تیار ہو گئیں، مگر چونکہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا اسلئے شریک نہ ہو سکیں۔ حضور ﷺ جب حمراء الاسد سے واپس ہوئے تو سب سے پہلے اُم عمارہؓ کی خیریت معلوم کی اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے تو بہت خوش ہوئے۔ اس زخم کے علاوہ اور بھی بہت سے زخم اُحد کی لڑائی میں آئے تھے۔ اُم عمارہؓ کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے اگر وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا۔ جب گھوڑے پر کوئی آتا اور مجھے مارتا تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا جب وہ گرتا تو حضور ﷺ میرے لڑکے کو آواز دیکر میری مدد کو بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اُس کو نمٹا دیتے۔ اُن کے بیٹے عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو پر زخم آیا اور خون تھمتا نہ تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹی باندھ لو۔ میری والدہ آئیں اپنی کمر میں سے کچھ کپڑا نکالا، پٹی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا کر کافروں سے مقابلہ کر۔ حضور اقدس ﷺ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، فرمانے لگے اُم عمارہؓ اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا جتنی تو رکھتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس دوران میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دعائیں بھی دیں اور تعریف فرمائی۔ اُم عمارہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔ میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹا دیا۔ حضور ﷺ نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں تو میں نے عرض کیا، یارسول اللہ دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں آپ کی رفاقت

نصیب فرمائیں۔ جب حضور ﷺ نے اس کی دعا فرما دی تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کچھ پروا نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا گذری۔ احد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں اُن کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد ارتداد کا زور شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی۔ اس میں بھی اُم عمارہؓ شریک تھیں۔ ان کا ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اس کے علاوہ گیارہ زخم بدن پر آئے تھے۔ اُنہیں زخموں کی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (طبقات)

ف: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں جن کی عمر احد کی لڑائی میں تینتالیس '۴۳' برس کی تھی جیسا کہ پہلے گذرا اور یمامہ کی لڑائی میں تقریباً باون '۵۲' برس کی۔ اس عمر میں ایسے معرکوں کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔

حضرت اُم حکیمؓ کا اسلام اور جنگ میں شرکت

اُم حکیمؓ بنت حارث جو عکرمہؓ بن ابی جہل کی بیوی تھیں اور کفار کی طرف سے احد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئی تھیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو مسلمان ہو گئیں، خاوند سے بہت محبت تھی مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو یمن بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اپنے خاوند کے لئے امن چاہا اور خود یمن پہنچیں۔ خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد ﷺ کی تلوار سے ان کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ وہ مدینہ طیبہ واپس آکر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش و خرم رہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہؓ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عکرمہؓ اس میں شہید ہو گئے تو خالد بن سعیدؓ نے اُن سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں مرج الصفر ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ابھی دشمنوں کا جمگھٹا ہے اس کو نمٹنے دیجئے، خاوند نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے وہ بھی چپ ہو گئیں اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں

رخصتی ہوئی۔ صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں خالد بن سعیدؓ شہید ہوئے۔ ام حکیمؓ نے اس خیمہ کو اکھاڑا جس میں رات گذری تھی اور اپنا سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لے کر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تن تنہا قتل کیا۔ (اسد الغابہ)

ف: ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار مرد بھی ایسے وقت نکاح کو تیار نہ ہوتا اور اگر نکاح ہو بھی جاتا تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ میں گذرتے۔ اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کر دیا اور عورت ہو کر سات آدمیوں کو قتل کیا۔

حضرت سمیہ ام عمارؓ کی شہادت

حضرت سمیہؓ بنت خیاط حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں جن کا قصہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر گذر چکا ہے یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمارؓ اور اپنے خاوند حضرت یاسرؓ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں مگر اسلام کی سچی محبت جو دل میں گھر کر چکی تھی اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ ان کو گرمی کے سخت وقت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا کہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا ادھر کو گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کا وعدہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سمیہ کھڑی تھیں کہ ابو جہل کا ادھر کو گذر ہوا۔ برا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا۔ جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں۔ اسلام کی خاطر سب سے پہلی شہادت انہیں کی ہوئی۔ (اسد الغابہ)

ف: عورتوں کا اس قدر صبر ہمت اور استقلال قابل رشک ہے لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔اب بھی عشق کے بیسیوں قصے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دے دی مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے راستہ، دین کی خاطر ہو، تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے سرخوبی کا سبب ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو تو دنیا تو گئی تھی ہی، آخرت بھی برباد ہوئی۔

حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کی زندگی اور تنگی

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ اور حضرت عائشہؓ کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں سے ہیں۔ شروع میں ہی مسلمان ہو گئیں تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ '۱۷' آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زیدؓ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل و عیال کو لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت اسماءؓ بھی چلی آئیں۔ جب قبا میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔ اس زمانہ کی عام غربت، تنگدستی، فقر و فاقہ مشہور و معروف ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں۔ بخاری میں حضرت اسماءؓ کا طرز زندگی خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیرؓ سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لادنے والا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لئے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا کاروبار بھی انجام دیتی تھی۔ مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لئے زیادہ

مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی، وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں۔ میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ پہنچنے پر زبیرؓ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی جو دو میل کے قریب تھی، میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھڑی میرے سر پر تھی۔ راستہ میں حضور اقدس ﷺ مل گئے، اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیرؓ کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کو بھی یہ ناگوار ہو گا۔ حضور اقدس ﷺ میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے میں گھر آئی اور زبیرؓ کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور ﷺ ملے اور یہ ارشاد فرمایا مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا خیال بھی آیا۔ زبیرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے بہت زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے) اس کے بعد میرے باپ حضرت ابو بکرؓ نے ایک خادم جو حضور ﷺ نے ان کو دیا تھا، میرے پاس بھیج دیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی گویا بڑی قید میں سے آزاد ہو گئی۔ (بخاری۔ فتح)

ف: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دل کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماءؓ کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

حضرت ابو بکرؓ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت در پیش ہو کہ حضور اقدس ﷺ بھی ساتھ تھے اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا (جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی) وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پوتیوں کے پاس تسلی کے لئے آئے۔ آکر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابو بکرؓ نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماءؓ کہتی ہیں، میں نے کہا نہیں دادے ابا تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا۔ جس سے انہوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے خیر یہ اس نے اچھا کیا۔ تمہارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا مگر میں نے دادے کی تسلّی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔ (مسند احمد)

ف: یہ دل گردہ کی بات ہے ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہیئے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا ان پر ہی تھا۔ ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی دوسرے گذارہ کی کوئی صورت ظاہراً نہیں۔ پھر مکہ والے عام دشمن اور بے تعلق مگر اللہ جل شانہ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اول میں نہایت مالدار بہت بڑے تاجر تھے لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی

کچھ لا دیا جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصّے میں مفصل گذرا ہے اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا کہ ابو بکرؓ کے مال نے۔ میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں مگر ابو بکرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

حضرت اسماءؓ کی سخاوت

حضرت اسماءؓ بڑی سخی تھیں۔ اول جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ مگر جب حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باندھ کر نہ رکھا کر اور حساب نہ لگایا کر جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کر لیا کر۔ تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو، کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہو گی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور صدقہ کرتی رہو گی تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہو گی۔ (طبقات ابن سعد)

ف: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ و خیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس و تنگی کی عام شکایت ہے مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کی ہجرت اور انتقال

دو جہاں کے سردار حضور اقدس ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ نبوت سے دس برس پہلے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس "۳۰" برس کی تھی پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ نہ جا سکیں۔ ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے۔ اہل مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیے ارسال کئے تو حضرت زینبؓ نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لئے مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کو دیکھا تو حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی۔ آبدیدہ ہوئے اور صحابہؓ کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ابو العاص کو بلا فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ واپس جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ طیبہ بھیجدیں۔ حضور ﷺ نے دو آدمی حضرت زینبؓ کو لینے کے لئے ساتھ کر دیئے کہ وہ مکہ سے باہر ٹھہر جائیں اور ان کے پاس تک ابو العاص پہنچوا دیں۔ چنانچہ حضرت زینبؓ اپنے دیور کنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ کفار کو جب اس کی خبر ہوئی تو آگ بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مزاحمت کے لئے پہنچ گئی جن میں حبار بن اسود جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینبؓ کا بھائی ہوا، وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے حبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینبؓ کو نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چونکہ حاملہ تھیں اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا۔ کنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا۔ ابو سفیان نے ان سے کہا کہ محمد ﷺ کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان چلی جائے، یہ تو گوارا نہیں۔ اس وقت واپس چلو پھر چپکے سے بھیجدینا۔ کنانہ نے اس کو قبول کر لیا اور واپس لے آئے۔ دو ایک روز بعد پھر روانہ کر دیا۔ حضرت زینبؓ کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔ دفن کے وقت نبی اکرم ﷺ خود قبر میں اترے اور دفن فرمایا۔ اترتے وقت بہت رنجیدہ تھے

جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب کے ضُعف کا خیال تھا، میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی سختی اس سے ہٹا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ (خمیس، اسد الغابہ)

ف: حضورِ اقدس ﷺ کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اٹھائی کہ جان بھی اسی میں دی پھر بھی قبر کی تنگی کے لئے حضور ﷺ کی دعا کی ضرورت پیش آئی تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا۔ اسلئے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لئے دعا کرنا چاہیئے۔ خود نبی اکرم ﷺ تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِمَنِّكَ وَ كَرَمِكَ وَفَضْلِكَ۔

حضرت ربیعؓ بنت معوذ کی غیرت دینی

ربیع بنت معوذ ایک انصاری صحابیہؓ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوئی ہیں۔ زخمیوں کی دوا دارو فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اُٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔ ہجرت کے بعد شادی ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ بھی شادی کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ پڑھا۔ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ (ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کو منع فرمادیا کیونکہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ ربیع کے والد حضرت معوذؓ، ابو جہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں۔ ایک عورت جس کا نام اسماء تھا عطر بیچا کرتی تھی۔ وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت ربیع کے گھر بھی گئی اور ان سے نام حال پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے دریافت کیا اُنہوں نے بتادیا۔ ان کے والد کا نام سُن کر وہ کہنے لگی کہ تو اپنے سردار

کے قاتل کی بیٹی ہے۔ (ابوجہل چونکہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اپنے سردار کا قاتل کہا) یہ سن کر ربیعؓ کو غصہ آیا۔ اور کہنے لگی کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ (ربیعؓ کو غیرت آئی کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سنے اس لئے انہوں نے اپنے غلام کے لفظ سے ذکر کیا) اسماء کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سن کر غصہ آیا۔ اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں۔ ربیعؓ نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں۔ میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔ (اسدالغابہ)

ف: ربیعؓ کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ اس کو جلانے کو کہا تھا یہ حمیت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آجکل دین کے بڑے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ نظر بتادیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو۔ اگر وہ تمہارا سردار ہو گیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ (ابوداؤد)

معلومات

حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دو جہاں کے سردار حضور اقدس ﷺ کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہیئے۔ حضور اقدس ﷺ کا نکاح جن پر محدثین اور مورخین کا اتفاق ہے، گیارہ عورتوں سے ہوا۔ اس سے زیادہ میں اختلاف ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق

ہے کہ ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا، جو بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ حضور ﷺ کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیمؓ کے سب انہیں سے ہوئی۔ جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ حضرت خدیجہؓ کے نکاح کی سب سے اوّل تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا۔ اہل تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند تھا اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحب اولاد بھی۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبد اللہ یا عبد مناف تھا۔ عتیق کے بعد پھر خدیجہؓ کا نکاح ابو ہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی۔ ہند حضرت علیؓ سے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا۔ جس وقت کہ حضرت خدیجہ کہ عمر چالیس برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور رمضان ۱۰ نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے طاہرہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی بنو الطاہرہ کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کے انتقال پر حضور اقدس ﷺ نے خود قبر مبارک میں اتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ اُن کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس کا نکاح ہوا۔ بعض مؤرخین نے حضرت عائشہؓ سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہؓ سے پہلے ہوا بعد میں حضرت عائشہؓ سے۔ حضرت سودہؓ بھی بیوہ تھیں۔ اُن کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے۔ پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال

ہو گیا۔ بعض موؤرخین نے لکھاہے کہ مکہ واپس آکر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوااور رخصتی حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضورﷺ کی عادت شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی۔ ایک مرتبہ حضورﷺ سے انہوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبار کوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہو گیا(یہ بھی حضورﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، چونکہ بدن کی بھاری تھیں اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہو گی) ایک مرتبہ حضورﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ مجھے خاوند کی خواہش نہیں مگر یہ تمنا ہے کہ جنت میں حضورﷺ کی بیویوں میں داخل رہوں اس لئے مجھے آپ طلاق نہ دیں میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں۔ اس کو حضورﷺ نے قبول فرمالیااور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آیا تھا۔ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھاہے کہ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں، حضورﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپﷺ ہیں۔ مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں، مجھے یہ بات گراں ہے کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضورﷺ نے ان کی بات کو پسند فرمایا۔ تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔ حضرت عائشہؓ سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ۱۰ نبوی میں ہوا۔ جس وقت ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ حضورﷺ کی بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوااور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب کہ ان کی عمر کو نواں برس تھا رخصتی ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضورﷺ کا وصال ہوا، اور چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا۔ خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں دفن کیا جائے، حضورﷺ کے قریب حجرہ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے، چنانچہ بقیع میں دفن کی گئیں۔ عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ

میں نکاح نامبارک ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں کونسی مجھ سے زیادہ نصیبہ ور اور حضور ﷺ کی محبوبہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہؓ حکیم کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یارسول اللہؐ! آپ نکاح نہیں کرتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کس سے۔ عرض کیا، کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے جو منظور ہو۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابو بکرؓ کی لڑکی عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہؓ بنت زمعہ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو۔ وہاں سے حضرت ابو بکرؓ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہؓ کی والدہ اُم رومانؓ سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں۔ دریافت کرنے پر کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے عائشہؓ سے منگنی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اُم رومانؓ نے کہا کہ وہ تو اُن کی بھتیجی ہے۔ اس سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے؟! اچھا ابو بکرؓ کو آنے دو۔ حضرت ابو بکرؓ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی ذکر کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور ﷺ کی بھتیجی ہے، حضور ﷺ سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے۔ خولہؓ نے جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے۔ خولہؓ واپس ہوئیں اور حضرت ابو بکرؓ کو جواب سنایا۔ وہاں کیا دیر تھی، کہا بلا لاؤ۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا۔ ہجرت کے چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہؓ کو کیوں نہیں بلا لیتے۔ حضور اقدس ﷺ نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نذرانہ پیش کیا۔ جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ میں یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کے دولت کدہ پر بنا یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے ہوئے۔ اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا۔ حضرت حفصہؓ نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خنیسؓ بن حذافہ سے ہوا۔ یہ بھی پرانے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے حبشہ کی ہجرت

کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا احد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے

اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہؓ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آگئیں تھیں، جب بیوہ ہو گئیں تو

حضرت عمرؓ نے اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ سے درخواست کی کہ میں حفصہؓ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے سکوت فرمایا۔ اس

کے بعد حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضورﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے فرمادیا کہ

میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ حضورﷺ سے حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت کی تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہؓ

کے لئے عثمانؓ سے بہتر خاوند اور عثمانؓ کے لئے حفصہؓ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہؓ سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح

کیا اور حضرت عثمانؓ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ بدر

کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں۔ اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہؓ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا تمہیں اس وقت

ناگواری ہوئی ہوگی۔ مگر چونکہ حضور اقدسﷺ مجھ سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے اس لئے نہ تو میں قبول کر سکتا تھا اور نہ

حضورﷺ کے راز کو ظاہر کر سکتا تھا اس لئے سکوت کیا تھا۔ اگر حضورﷺ ارادہ ملتوی فرمادیتے تو میں ضرور کر لیتا۔ حضرت عمرؓ

فرماتے ہیں کہ مجھے ابو بکرؓ کے سکوت کا حضرت عثمانؓ کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا۔ حضرت حفصہؓ بڑی عابدہ، زاہدہ تھیں۔ رات کو

اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضور اقدسﷺ نے اُن کو ایک طلاق بھی دی تھی جس کی

وجہ سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ حضرت جبرئیل تشریف لائے اور عرض کیا، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ

حفصہؓ سے رجوع کر لو۔ یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمرؓ کی خاطر بھی منظور ہے۔ اس لئے حضورﷺ نے

رجوع فرمالیا۔ ۴۵ھ میں جب ان کی عمر تقریباً تریسٹھ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور

عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔ ان کے بعد حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا۔ حضرت زینبؓ خزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح

میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جحشؓ سے نکاح ہوا تھا۔ جب وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے جن کا قصہ باب نمبر ۷

کی پہلی حدیث میں گذرا۔ تو حضور ﷺ نے نکاح کیا۔ اور بعض نے لکھا کہ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا۔ ان کے طلاق

دینے کے بعد اُن کے بھائی عبیدہؓ بن الحارث سے ہوا جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ہجرت کے اکتیس

مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیویوں

میں حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوا۔ باقی نو حضور ﷺ کے وصال کے وقت

زندہ تھیں جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی اُم المساکین (مسکینوں کی

ماں) تھا۔ ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت اُم سلمہؓ سے ہوا، حضرت اُمّ سلمہؓ ابواُمیّہ کی بیٹی تھیں جن کا پہلا نکاح اپنے

چچازاد بھائی ابوسلمہؓ سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسدؓ تھا۔ دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں۔ کفار کے ہاتھ سے تنگ

آکر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی۔ وہاں جاکر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جن کا نام سلمہؓ تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت

کی۔ جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۵ پر مفصل گذر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمرؓ اور دو لڑکیاں درہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابو

سلمہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بدر اور احد کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آگیا تھا جس کی

وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۴ھ میں ایک سریہ میں تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہوگیا اور اسی میں آٹھی ۴

ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہؓ اس وقت حاملہ تھیں اور زینبؓ پیٹ میں تھیں۔ جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی۔ حضرت ابو

بکر صدیقؓ نے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس سے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ

میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں ہے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی انشاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے سلمہؓ سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرا نکاح کر دو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سُنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا کرے "اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا" اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما تو اللہ جل شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابو سلمہؓ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی مگر یہ سوچتی کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضور ﷺ سے نکاح کرا دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اُن سے حسن کہ بہت شہرت تھی۔ جب نکاح ہو گیا تو میں نے چھپ کر حیلہ سے جا کر دیکھا تو جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا، نہیں ایسی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ اُمہات المومنین میں سب سے اخیر میں حضرت ام سلمہؓ کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت چوراسی سال کی عمر تھی۔ اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً نو برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا اور حضرت زینبؓ کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی۔ انہوں نے جو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور ﷺ کو وہ ملیدہ کھلایا جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے وہ پکایا تھا۔ ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح زینبؓ بنت جحش سے ہوا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ نے اپنے مُتبنّٰی حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہ نے خود ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا جس کا قصہ سورۂ احزاب میں بھی ہے اس وقت ان کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے، مگر صحیح ۵ھ ہے۔ اور اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس بات پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیا نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہ نے کیا۔ حضرت زیدؓ نے جب ان کو طلاق دی اور عدت پوری ہو گئی

تو حضورﷺ نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ تیرے رسولﷺ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرمادے۔ ادھر حضورﷺ پر قرآن شریف کی آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا نازل ہوئی تو حضورﷺ نے خوشخبری بھیجی۔ حضرت زینبؓ خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں۔ حضور اقدسﷺ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا۔ بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہوجاتی تھی تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں اور بڑی محنتی۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کردیتیں۔ ان ہی کے بارہ میں حضورﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں۔ اس لئے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کردیئے۔ دیکھنے میں حضرت سودہؓ کا ہاتھ سب سے لمبا ملا۔ مگر جب حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں۔ ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پچاس برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے نمبر ۱۰ پر بھی گذرا ہے۔ ان کے بعد آپﷺ کا نکاح حضرت جویریہؓ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔ یہ غزوۂ مریسیع میں قید ہوکر آئیں تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابتؓ نے ان کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کردیا۔ مکاتب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس سے یہ مقرر کرلیا جاوے کہ اتنے دام تم اگر دے دو، تو تم آزاد۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا۔ اس حساب سے تو '۹' اوقیہ کی قیمت (پیسہ ۱۲۔۸۔۷ روپے) ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو تو (۹۰ روپے) ہوئی۔ یہ حضورﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ

ہوں۔ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے۔

آپ ﷺ کی امید پر آئی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرا دوں اور تجھ

سے نکاح کرلوں۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا تھا۔ بخوشی منظور کرلیا اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس

قصہ کو بتایا ہے، نکاح ہوگیا۔ صحابہؓ نے جب سنا کہ بنوالمصطلق حضور ﷺ کی سسرال بن گئی، تو انہوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز

میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہؓ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے جن میں تقریباً سات سو آدمی

تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور ﷺ کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہؓ نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحت تھی۔

کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی اُٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہؓ نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرت سے ایک چاند

چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی اُمید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی

تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ

میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ، ابوسفیان کی صاحبزادی ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثروں نے

رملہ اور بعضوں نے ہند بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحشؓ سے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔

کفار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی، وہاں جا کر خاوند نصرانی ہو گیا۔ یہ اسلام پر باقی رہیں۔

انہوں نے اسی رات اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بری شکل میں دیکھا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اس تنہائی میں اس

حالت میں ان پر کیا گذری ہو گی۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضور ﷺ کے نکاح

میں آ گئیں۔ حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو۔ چنانچہ نجاشی نے ایک عورت

ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لئے بھیجا۔ انہوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں اس کو عطا کر دیئے اور پاؤں کے

چھلے کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے اور بہت کچھ سامان دیا۔ جو لوگ مجلس نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں۔ جب یہ مدینہ طیبہ پہنچیں، نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامان جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قصہ اسی باب کے نمبر ۹ پر گذر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔ اُم المومنین حضرت صفیہؓ حیی کی بیٹی حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی اولاد میں ہیں۔ اوّل سلّام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہو گئی تھی۔ ان کا خاوند قتل ہو گیا تھا۔ خیبر کی لڑائی میں وحیہ کلبیؓ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے ایک باندی مانگی، حضور ﷺ نے ان کو مرحمت فرما دیا۔ چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں، اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ صفیہؓ کو اگر حضور ﷺ اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دلداری ہے اس لئے حضور ﷺ نے دِحیہؓ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس جو کھانے کی چیز ہو وہ لے آئے۔ صحابہؓ کے پاس متفرق چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا یہی ولیمہ تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو چلی جاؤ اور میرے پاس

میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شرک کی حالت میں حضور ﷺ کی تمنا کرتی تھی اب مسلمان ہو کر کیسے جا سکتی ہوں۔ اس سے مراد غالباً ان کا خواب ہے جو انہوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انہوں نے اپنے خاوند کنانہ سے کہا اُس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے، خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا۔ اُس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انہوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا۔ اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی، خود کہتی ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ، حارث بن حزن کی بیٹی ان کا اصل نام بَرّہ تھا۔ حضور ﷺ نے بدل کر میمونہؓ رکھا پہلے سے ابو رحم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ اکثر مؤرخین کا یہی قول ہے اور بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی دو نکاح ہوئے تھے۔ بیوہ ہو جانے کے بعد ذیقعدہ ۷ھ میں جب حضور اقدس ﷺ عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے جا رہے تھے، موضع سَرِف میں نکاح ہوا۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہو جائے، مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی۔ اس لئے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سَرِف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی۔ یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میمونہؓ ہم سب سے زیادہ متقی اور صلہ رحمی والی تھیں۔ یزید بن اصمؒ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا

یا گھر کا کام۔ اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مورخین کا اتفاق ہے، ان میں حضرت میمونہؓ کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا ان گیارہ بیویوں میں سے دو کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہو چکا تھا۔ (حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا) باقی نو بیبیاں حضور ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح بعض محدثین و مورخین نے لکھے ہیں جن کے ہونے میں اختلاف ہے اس لئے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

معلومات

حضور ﷺ کی اولاد

مورخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں پھر حضرت رقیہؓ پھر ام کلثومؓ پھر حضرت سیدہ فاطمہؓ۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہؓ جیسے جاں نثار بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسمؓ، حضرت عبداللہؓ، حضرت ابراہیمؓ ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیبؓ اور پانچویں حضرت طاہرؓ تھے۔ اس طرح پانچ ہوئے، بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہرؓ دونوں ایک ہی صاحبزادے کے نام ہیں، اس طرح چار ہوئے اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے۔ مطیبؓ اور مطہرؓ اور لکھا ہے کہ طیبؓ اور مطیبؓ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہرؓ اور مطہرؓ ایک ساتھ پیدا ہوئے، اس طرح سات ہوئے لیکن اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے اور حضور ﷺ کی ساری اولاد حضرت ابراہیمؓ کے سوا حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئی۔

لڑکوں میں حضرت قاسمؓ سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینبؓ ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی حضرت قاسمؓ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ دو سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیبؓ اور طاہرؓ بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال پر بعضوں نے لکھا ہے کہ حضرت قاسمؓ کے انتقال پر کفار بہت خوش ہوئے کہ آپ کی نسل منقطع ہو گئی جس پر سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنَا نازل ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ "جب نسل ختم ہو گئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا" یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور ﷺ کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ۸ ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی باندی حضرت ماریہؓ کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور حضور ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور ﷺ نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور (دو مینڈھے ذبح کئے) اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ ابو ہند بیاضیؓ نے سر کے بال اُتارے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا ہے اور سولہ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ھ میں انتقال فرمایا بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابراہیمؓ کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز ہو گئی۔ صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے نکاح سے پانچ برس بعد جب کہ آپ ﷺ کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش میں جوان ہوئیں۔ مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۲ پر گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۸ ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ ھ یا ۷ ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، اور انہی کے نکاح میں رہیں۔ ان سے دو بچے ہوئے ایک

لڑکا ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام حضرت علیؓ تھا۔ جنہوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علیؓ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت اُمامہؓ تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور ﷺ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں۔ یہ حضور ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیّدہ فاطمہؓ کے وصال کے بعد جو ان کی خالہ تھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مغیرہؓ بن نوفل سے نکاح ہوا۔ حضرت علیؓ کے کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی البتہ مغیرہؓ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے۔ اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ کا نکاح بھانجی سے کر دیا جائے ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں جو اپنی بہن زینبؓ سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تینتیس برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہؓ کو حضرت زینبؓ سے بڑا بتایا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینبؓ سے چھوٹی تھیں حضور ﷺ کے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب سورۃ تبت نازل ہوئی تو ابو لہب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عتیبہ سے جس کے نکاح میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ تھیں، یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو اس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد فتح مکہ پر حضرت رقیہؓ کے خاوند عتبہ مسلمان ہو گئے تھے مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی جس کا بیان پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گزر چکا اس کے بعد جب حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور میں مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہو گی تو صحابہؓ نے مدینہ طیّبہ کی ہجرت شروع کر دی اسی سلسلہ میں حضورؐ سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیّبہ پہنچ گئے تھے حضورؐ کی ہجرت کے بعد جب حضورؐ بدر

کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت رقیہؓ بیمار تھیں اسی لئے حضورؐ حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے ۔بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچی جب یہ حضرات حضرت رقیہؓ کو دفن کر کے آرہے تھے۔اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ ان کے دفن میں شرکت نہ فرماسکے۔ حضرت رقیہؓ کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہوسکی تو اولاد کا کیا ذکر البتہ حضرت عثمانؓ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام عبداللہؓ تھا، حبشہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور چھ ۶ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہؓ سے نہیں ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ تھیں اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہؓ میں سے کونسی بڑی تھیں اکثر کی رائے یہ ہے کہ حضرت اُمّ کلثومؓ بڑی تھیں اول عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۃ تبت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی جیسا کہ حضرت رقیہؓ کے بیان میں گذرا لیکن ان کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے جیسا کہ گذر چکا اور ان کے خاوند عتیبہ نے طلاق دی اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں آکر نہایت گستاخی، بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے۔ حضورؐ نے بددعا دی کہ یااللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلّط فرما۔ابو طالب اس وقت موجود تھے، باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی نہیں چنانچہ عتیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا اس کا باپ ابو طالب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ محمد ﷺ کی بددعا کا فکر ہے قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں ایک منزل پر پہنچے وہاں شیر زیادہ تھے۔رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عتیبہ کو سلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے۔اس کے بعد ایک زقند لگائی اور اس ٹیلے پر پہنچ کر عتیبہ کا سر بدن سے جدا کر دیا اس نے ایک آواز دی مگر ساتھ ہی کام تمام ہوچکا تھا بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ قصّہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کے پہلے شوہروں میں سے ایک

مسلمان ہوئے۔ دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا۔ خود اللہ جل شانہ کا ارشاد

ہے۔مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (حدیث قدسی)(جو میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے

) حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ربیع الاوّل ۳ھ میں حضرت امّ کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے ہوا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں

نے امّ کلثومؓ کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے حضرت عثمانؓ سے کیا، بعض روایات میں حضرت رُقیہؓ اور حضرت امّ کلثومؓ دونوں کے متعلق

یہی ارشاد فرمایا۔ پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی، اولاد کوئی حضرت عثمانؓ سے بھی نہیں ہوئی۔ اور شعبان ۹ھ میں

انتقال فرمایا حضورؐ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میری سو ۱۰۰ لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری

کے بعد سب کا نکاح عثمانؓ سے کرتا حضورؐ کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ جو عمر میں اکثر مؤرخین کے

نزدیک سب سے چھوٹی ہیں نبوّت کے ایک سال بعد جب (حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی) پیدا ہوئیں اور بعض

نے نبوّت سے پانچ سال پہلے پینتیس سال کی عمر میں لکھا ہے کہتے ہیں ان کا نام فاطمہؓ الہام یا وحی سے رکھا گیا فطم کے معنی روکنے کے

ہیں یعنی جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح ہوا اور نکاح سے سات ماہ

اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی یہ نکاح بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے ہوا کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپؓ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔

اس سے بھی اکتالیسویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تصدیق ہوتی ہے اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ یا چوبیس سال

ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی جب حضور ﷺ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب

سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے حضرت علی کرم اللہ

وجہہ نے ابو جہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو ان کو رنج ہوا حضور ﷺ سے شکایت کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

فاطمہؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو رنج پہنچایا اس نے مجھے رنج پہنچایا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح

نہیں کیا۔آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہؓ سے نکاح کیا۔ جس کا ذکر حضرت زینبؓ کے بیان میں گذرا۔ نبی اکرم ﷺ کے

وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی، پانی رکھ دو غسل فرمایا، نئے

کپڑے پہنے پھر فرمایا کہ میرا بستر گھر کے بیچ میں کر دو۔اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رُخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور

فرمایا کہ بس اب میں مرتی ہوں۔ یہ فرما کر وصال فرمایا حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور انشاء اللہ قیامت تک چلتا

رہے گا۔ان کی چھ اولاد تین لڑکے تین لڑکیاں ہوئیں سب سے اوّل حضرت حسنؓ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے پھر حضرت

حسینؓ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں، پھر حضرت محسّنؓ (یہ س کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن میں ہو گیا

۔صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں دوسری صاحبزادی

حضرت اُمِّ کلثومؓ کا پہلا نکاح حضرت عمرؓ امیر المومنین سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے زیدؓ اور ایک صاحبزادی رقیہؓ پیدا ہوئیں حضرت

عمرؓ کے وصال کے بعد اُمِّ کلثومؓ کا نکاح عون بن جعفرؓ سے ہوا ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن

جعفرؓ سے ہوا ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی بچپن ہی میں انتقال کر گئیں ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ

سے ہوا ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہی کے نکاح میں حضرت اُمِّ کلثومؓ کا انتقال ہوا اور اس دن ان کے صاحبزادے زیدؓ کا بھی

انتقال ہوا دونوں جنازے ساتھ ہی اٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔یہ تینوں بھائی وہی عبدؓاللہ اور عونؓ اور محمدؓ ہیں جن کا

قصہ چھٹے باب کے نمبر ۱۱ پر گذرا ہے۔یہ حضرت علیؓ کے بھتیجے اور جعفر طیارؓ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کی تیسری صاحبزادی

حضرت زینبؓ تھیں جن کا نکاح عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہؓ اور عونؓ پیدا ہوئے اور انھیں کے نکاح میں انتقال

فرمایا ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت اُمِّ کلثومؓ سے ہوا تھا۔یہ اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے ورنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیویوں جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے مؤرخین نے حضرت علیؓ کی تمام اولاد بتیس لکھی ہے

جن میں سولہ لڑکے سولہ لڑکیاں اور حضرت امام حسنؓ کے پندرہ لڑکے آٹھ لڑکیاں اور حضرت امام حسینؓ کے چھ لڑکے تین لڑکیاں۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وَاَرْضَاہُمْ اَجْمَعِیْنَ وَجَعَلْنَا بِہَدْیِہِمْ مُتَّبِعِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔

ملخص من الخمیس والزرقانی علی المواہب والتلقیح والاصابۃ واسد الغابۃ

گیارھواں باب

کم سن اور نو عمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ تھا۔ اگر ماں باپ اور دوسرے اولیاء اولاد کو شفقت میں کھو دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبر گیری اور اس پر تنبیہ رکھیں تو دین کے امور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جا کر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہ عادت کے ہو جائیں لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ زیادہ محبت کا جوش ہوتا ہے تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جاوے گا۔ حالانکہ بڑے ہو کر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جا چکا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو یہ مشکل ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں، دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنے والا ہو تو بچپن ہی سے اس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی اور روزہ سے نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس ہو ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں۔ (بخاری)

ف: یعنی تو اتنا بڑا ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتا اس کے بعد اس کے اسی ۸۰ کوڑے شراب کی سزا میں مارے اور مدینہ منورہ

سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملک شام کو چلتا کر دیا۔

۱۔ بچوں کو روزہ رکھوانا

ربیع بنت معوذ جن کا قصہ پہلے باب کے اخیر میں گذرا ہے کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے سب کے سب روزہ رکھیں ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے تھے۔ (بخاری)

ف: بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ اگرچہ اس وقت قویٰ نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمل تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہا کیا جاتا ہے تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے مگر اب جس کا تحمل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔

۲ حضرت عائشہؓ کی احادیث اور آیت کا نزول

حضرت عائشہؓ چھ سال کی عمر میں حضور اقدس ﷺ کے نکاح میں آئیں مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا اور نویں سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور افعال ان سے نقل کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مسروقؒ کہتے ہیں کہ بڑے صحابہؓ کو میں

نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاءؒ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی حضرت عائشہؓ کے پاس اسکے متعلق تحقیق ملتی تھی۔ (الاصابہ) (۱) دو ہزار دو سو دس حدیثیں کتب حدیث میں ان کی ملتی ہیں (تلقیح) خود فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی اس وقت حضور اقدس ﷺ پر سورۃ قمر کی آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ نازل ہوئی۔ (بخاری) مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہؓ رہی ہیں۔ اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہو سکتا ہے ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔

۳ حضرت عمیرؓ کا جہاد کی شرکت کا شوق

حضرت عمیرؓ آبی اللّحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے۔ جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر چھوٹے بڑے کی جان تھا۔ خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سرداروں نے بھی حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی اجازت فرما دی جائے چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت فرما دی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی جو گلے میں لٹکا لی۔ مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا اس لئے وہ زمین پر گھسیٹتی جاتی تھی۔ اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی اس لئے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصہ میں آیا (ابوداؤد)

ف: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں، اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں۔ اسکی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالی اور اسکے سچے رسول ﷺ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

۴ حضرت عمیرؓ کا بدر کی لڑائی میں چھپنا

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ ایک نو عمر صحابی ہیں شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی ہیں۔ سعدؓ کہتے ہیں میں نے اپنے بھائی عمیرؓ کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں، مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا چھپتے کیوں پھر رہے ہو کہنے لگے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضور اقدس ﷺ مجھے نہ دیکھ لیں اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کر دیں کہ پھر نہ جا سکوں گا اور مجھے تمنا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں کیا بعید ہے اللہ تعالی مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں آخر جب لشکر پیش ہوا تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرما دیا مگر شوق کا غلبہ تھا تحمل نہ کر سکے اور رونے لگے۔ حضور اقدس ﷺ کو شوق اور رونے کا حال معلوم ہوا تو اجازت عطا فرما دی۔ لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے ان کے بھائی سعدؓ کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے (اصابہ)

۵ دو انصاری بچوں کا ابو جہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ مشہور اور بڑے صحابہؓ میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب دو انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے میرے دونوں جانب بچے ہیں یہ کیا مدد کر سکیں گے اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا چچا جان تم ابو جہل کو بھی پہچانتے ہو میں نے کہا ہاں پہچانتا ہوں تمہاری کیا غرض ہے اس نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوگا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے اس سوال اور جواب پر تعجب ہوا اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اس نے بھی کہا اتفاقاً میدان میں ابو جہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے وہ جا رہا ہے ۔دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی یہاں تک کہ اس کو گرا دیا (بخاری)

ف: یہ دونوں صاحبزادے معاذؓ بن عمرو بن جموح اور معاذؓ بن عفراہیں۔ معاذ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابو جہل کو کوئی نہیں مار سکتا۔ وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابو جہل گھوڑے پر سوار تھا۔ صفوں کو درست کر رہا تھا جس وقت عبدالرحمن بن عوفؓ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے تو گھوڑے سوار پر براہ راست حملہ مشکل تھا اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابو جہل کو کی ٹانگ پر حملہ کیا جس سے گھوڑا بھی گرا اور

رہے۔ مگر معوذ بن عفرؓ ان کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کر دیا کہ مبادا اٹھ کر چلا جائے لیکن بالکل انہوں نے نہ نمٹایا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ نے بالکل ہی سر جدا کر دیا۔ معاذؓ بن عمرو کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا۔ اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ (اسد الغابہ) میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا۔ لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دقت ہوئی تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا (خمیس)

۶۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ اور ابن جندب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ

نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لئے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرماتے۔ ان کے احوال کو ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے۔ کم عمر بچوں کو واپس فرما دیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے چنانچہ احد کی لڑائی کے لئے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور نو عمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرما دیا جن میں حضرات ذیل بھی تھے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، زین بن ارقم رضی اللہ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ عنہ، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، عرابہ بن اوس رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، کہ ان کی عمریں تقریباً تیرہ چودہ برس کی تھیں جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں ابھر ابھر کے کھڑے ہوتے تھے کہ قد لمبا معلوم ہو۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرما دی تو سمرۃ بن جندب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سوتیلے باپ مرۃ بن سنان سے کہا کہ

حضور ﷺ نے رافع رضی اللہ عنہ کو تو اجازت مرحمت فرمادی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی حالانکہ میں رافع رضی اللہ عنہؓ سے قوی ہوں اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرۃ رضی اللہ عنہ نے رافع کو واقعی پچھاڑ دیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے سمرۃ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عطا فرمادی۔ اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی اسی سلسلے میں رات ہو گئی حضور ﷺ نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اٹھے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا نام کیا ہے انہوں نے کہا ذکوان حضور ﷺ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ پھر فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا ایک صاحب اٹھے حضور ﷺ نے نام دریافت کیا عرض کیا ابو سبع (سبع کا باپ) حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے نام دریافت کیا انہوں نے عرض کیا ابنؓ عبد القیس (عبد قیس کا بیٹا) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آجاؤ تو ایک صاحب حاضر ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دعا دی اور حفاظت کا حکم فرمایا رات بھر یہ حضور ﷺ کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے (خمیس)

ف: یہ شوق اور ولولے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا۔ اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی رافع بنؓ خدیج نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی پھر احد میں پیش کیا جس کا قصہ ابھی گذرا اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ احد کی لڑائی میں سینے میں ایک تیر لگا،

جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا مگر بھال کا حصہ اندر بدن میں رہ گئی جس نے زخم کی صورت اختیار کی اور اخیر زمانہ میں بڑھاپے کے

قریب یہی زخم ہرا ہو کر موت کا سبب بنا۔ (اسد الغابہ)

۷۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کی وجہ سے تقدم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی پھر احد کی لڑائی میں نکلے مگر واپس کر دیے گئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا بعضوں نے کہا کہ چونکہ سمرۃ رضی اللہ عنہ اور رافع رضی اللہ عنہ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی (جیسا کہ ابھی اس سے پہلے قصہ میں گذرا) اس لئے ان کو ابھی اجازت ہو گئی تھی اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عمارہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور ﷺ نے عمارہؓ سے لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا عمارہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میری کوئی شکایت حضور ﷺ تک پہنچی؟ ارشاد فرمایا یہ بات نہیں بلکہ زید رضی اللہ عنہ قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا (اسد الغابہ)

ف: حضور اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح فرماتے تھے یہاں اگرچہ لڑائی کا موقعہ تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اٹھانے میں ان کو مقدم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضور اقدس ﷺ اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کئی

آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مقدم فرماتے تھے

جیسا کہ غزوہ احد میں کیا۔

۸ حضرت ابو سعید خدریؓ کے باپ کا انتقال

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں احد کی لڑائی میں پیش کیا گیا۔ تیرہ سال کی میری عمر تھی۔ حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قویٰ اچھے ہیں، ہڈیاں بھی موٹی ہیں حضور اقدس ﷺ نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے پھر نیچے کر لیتے تھے بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا۔ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کو پاکباز بنا دیتے ہیں اور غنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنا عطا فرماتے ہیں میں نے یہ مضمون حضور ﷺ سے سنا پھر کچھ نہ مانگا چپکے ہی واپس آ گیا اسکے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ان کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نو عمر صحابہؓ میں اس سے بڑے درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا (اصابہ، استیعاب)

ف: بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت لیکن نبی اکرم ﷺ کی ایک عام نصیحت کو سن کر چپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا کیا آج کل کوئی بڑی عمر والا بھی کر سکتا ہے سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول ﷺ کی مصاحبت کے لئے ایسے ہی لوگ چنے تھے جو اس کے اہل تھے اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو خاتمہ میں آتا ہے کہ اللہ نے سارے آدمیوں میں سے میرے صحابہ کو چنا ہے۔

۹۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی غابہ پر دوڑ

غابہ مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی۔ وہاں حضور اقدس ﷺ کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمن فزاری نے ان کو لوٹ لیا جو صاحب چراتے تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیے یہ لٹیرے لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح کے وقت پیدل تیر کمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی بچے تھے دوڑتے بہت تھے کہتے ہیں ان کی دوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی مشہور تھے حضرت سلمہؓ بن اکوع نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لوٹ کا اعلان کیا اور خود (تیر کمان ساتھ تھی ہی) ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہنچ گئے اور تیر مارنے شروع کئے اور اس پھرتی سے دمادم تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا مجمع سمجھے اور چونکہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے۔ اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا گر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ جتنے اونٹ انھوں نے حضور اقدس ﷺ کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس برچھے اور تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے اتنے میں عیینہ بن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور ان کے پاس پہنچ گئی اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا، کہ میں اکیلا ہوں انہوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا وہ بھی چڑھ گئے جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے زور سے کہا ذرا ٹھہرو پہلے میری ایک بات سنو تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں انہوں نے کہا کہ بتا کون ہے میں نے کہا میں ابن الاکوع ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم جس

نے محمد ﷺ کو عزت دی، تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جو کو میں پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہر گز نہیں چھوٹ سکتا ان کے متعلق چونکہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا سلمہؓ کہتے ہیں میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہنچ گئی ہے مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا غرض اُن سے اسی طرح میں بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا رہا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی۔ ان میں سے سب سے آگے اخرم اسد رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے آتے ہی عبدالرحمن فزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمن بھی ان پر متوجہ ہوا انہوں نے عبدالرحمن کے گھوڑے پر حملہ کر دیا اور پاؤں کاٹ دیئے جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبد الرحمن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبدالرحمن فوراً اُن کے گھوڑے پر سوار گیا ان کے پیچھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے فوراً انہوں نے حملہ شروع کر دیا عبدالرحمن نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انہوں نے عبدالرحمن پر حملہ کیا جس سے وہ قتل ہو گیا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فوراً اس گھوڑے پر جو اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کا تھا اب اس پر عبدالرحمن سوار ہو رہا تھا، سوار ہو گئے (ابوداؤد)

ف: بعض تواریخ میں لکھا ہے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ اپنا مجمع اور آنے دو مگر انہوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کفار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ اسکے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہنچ گیا اور وہ لوگ بھاگ گئے تو حضرت سلمہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ ۱۰۰ سو آدمی کر دیں میں ان کا پیچھا کروں مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی

جماعتوں میں پہنچ گئے۔ اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہؓ کی عمر اس وقت بارہ تیرہ برس کی تھی بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگادے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں جو لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں یہ اسی اخلاص کی برکت تھی جو اللہ جل شانہ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا۔

• ا۔ بدر کا مقابلہ اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مہتم بالشان لڑائی ہے اس لئے کہ اس میں مقابلہ نہایت سخت تھا مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل، کل تین سو پندرہ آدمی تھے جن کے پاس صرف تین گھوڑے چھ یا نو زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے اور کفار کی جماعت ایک ہزار کے قریب تھی جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ ادھر نبی اکرم ﷺ نہایت متفکر کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ جب حضور ﷺ نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعا مانگی یا اللہ یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں تو ہی ان کو سواری دینے والا ہے، یہ ننگے بدن ہیں تو ہی ان کو کپڑا پہنانے والا ہے، یہ بھوکے ہیں تو ہی ان کا پیٹ بھرنے والا ہے، یہ فقیر ہیں تو ہی ان کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیئے نبی اکرم ﷺ نے بچہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں سے لوٹا دیا (خمیس) یہ دونوں حضرات احد کی لڑائی میں سے بھی واپس کئے گئے تھے جیسا کہ پہلے قصہ میں گذر چکا ہے احد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی جب اس میں بھی یہ بچوں میں

شمار کئے گئے تو بدر میں بطریق اولی بچے تھے مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے ولولہ اور شوق دم میں جوش مارتا تھا اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے۔

۱۱۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ بن اُبی کا اپنے باپ سے معاملہ

۵ھ میں بنو المصطلق کی مشہور جنگ ہوئی۔ اس میں ایک مہاجری اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہو گئی۔ معمولی بات تھی مگر بڑھ گئی ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہو گئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ گرم ہو جائے کہ درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرا دی عبد اللہ بن ابی منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا اس لئے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا، اس کو جب اس قصے کی خبر ہوئی تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم ہم لوگ اگر مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نو عمر بچے تھے ،وہاں موجود تھے یہ سن کر تاب نہ لاسکے کہنے لگے خدا کی قسم تو ذلیل ہے تو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد ﷺ عزت والے ہیں رحمن کی طرف سے بھی عزت دیئے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ اچھا چپکا رہ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ مگر حضرت زیدؓ نے جا کر حضور اقدس ﷺ سے نقل کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے مگر حضور ﷺ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی

عبداللہ بن ابی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور ﷺ تک یہ قصہ پہنچ گیا ہے تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہا زید رضی اللہ عنہ نے جھوٹ نقل کر دیا۔ انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے انہوں نے بھی سفارش کی کہ یا رسول اللہؐ! عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے ایک بچہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور ﷺ نے اسکا عذر قبول فرما لیا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو سچا ثابت کر دیا اور زید رضی اللہ عنہ کو جھٹلا دیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا حضور ﷺ کی مجلس میں بھی ندامت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زیدؓ کی سچائی اور عبداللہ بن ابی کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا حضرت زیدؓ کی وقعت موافق مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن ابی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا جب مدینہ منورہ قریب آیا تو عبداللہ بن اُبی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں سے تھے۔ مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد ﷺ عزیز ہیں اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بڑا احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے مگر حضور ﷺ کے مقابلہ میں تحمل نہ کر سکے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا (خمیس)

۱۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حمراء الاسد میں شرکت

اُحد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے۔ سفر اور لڑائی کی تکان خوب تھی مگر مدینہ منورہ پہنچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابو سفیان نے لڑائی سے واپسی پر حمرائ الاسد (ایک جگہ کا نام) پہنچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ احد کی لڑائی میں

مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے، ایسے موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آسکے یا نہ آسکے۔ اس لئے حضور

اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر کے لوٹنا چاہئے تھا اس ارادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا حضور اقدس ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ جو

لوگ احد میں ساتھ تھے وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کے لئے چلنا چاہئے اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے مگر اس کے

باوجود سب کے سب تیار ہو گئے چونکہ حضور ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو احد میں ساتھ تھے اس لئے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ میری تمنا احد میں بھی شرکت کی تھی مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ

دی کہ میری سات بہنیں ہیں اور کوئی مرد ہے نہیں انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ

فرما چکے تھے اس لئے مجھے اجازت نہ دی تھی احد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہو گئی اب حضور مجھے اجازت مرحمت فرمادیں کہ میں بھی

ہمرکاب چلوں حضور ﷺ نے اجازت عطا فرمادی ان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں گیا جو احد میں شریک نہ ہو۔ (خمیس)

ف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس شوق و تمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابل رشک ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے

قرضہ بھی باپ کے ذمہ بہت سا ہے وہ بھی یہود کا جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کر رہے

تھے۔ اس سب کے علاوہ بہنوں کے گذران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں جن کی وجہ سے ان کو احد کی لڑائی میں

شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے۔

۱۳۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری روم کی لڑائی میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی

بجائے جب عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ حاکم بنائے گئے تو وہ روم کی لڑائی کے واسطے بیس ہزار کے مجمع کے ساتھ نکلے۔ رومیوں کا

لشکر دولاکھ کے قریب تھا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی رومیوں کے امیر جرجیر نے اعلان کیا جو شخص عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے گا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دوں گا۔ اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا انہوں نے کہا یہ فکر کی بات نہیں ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جرجیر کو قتل کرے گا اس کی بیٹی سے اس کا نکاح کیا جائے گا اور ایک لاکھ دینار انعام اور مزید یہ کہ اس کو ان شہروں کا امیر بھی بنا دیا جائے۔ الغرض دیر تک یہ مقابلہ ہوتا رہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جرجیر سارے لشکر کے پیچھے ہے اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے دو باندیاں مور کے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں انہوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جا کر حملہ کیا وہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آرہے ہیں۔ کوئی پیغام صلح لے کر آئے ہیں مگر انھوں نے سیدھے پہنچ کر اس پر حملہ کر دیا اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اٹھا کر لے آئے اور سب دیکھتے رہ گئے۔

ف: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نو عمر ہی تھے ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں ان ہی کی ہے مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی اس لئے ایک سال تک کسی مہاجر کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا تو یہود نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے ان کے لڑکا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سات برس کی عمر میں بیعت فرمالیا تھا۔ اس لڑائی کے وقت ان کی عمر چوبیس پچیس سال کی تھی اس عمر میں دولاکھ کے مجمع کو پھلانگ کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں۔

۱۴۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ کا کفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا

عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستہ میں ایک جگہ رہا کرتے تھے۔ وہاں کے آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذرتے تھے جو لوگ مدینہ منورہ سے واپس آتے ہم ان سے حالات پوچھا کرتے تھے کہ وہاں کے لوگوں کا کیا حال چال ہے۔ جو صاحب نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی کیا خبر ہے۔ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے۔ یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ میں کم عمر بچہ تھا۔ وہ جو بیان کرتے میں اس کو یاد کر لیا کرتا۔ اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہو گیا تھا۔ عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لئے مکہ والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کیلئے حاضر خدمت ہوئی۔ میرے باپ بھی اپنے قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی۔ جماعت کا طریق بتایا اور فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کے لئے افضل ہے۔ میں چونکہ آنے والوں میں آیتیں سنکر ہمیشہ یاد کر لیا کرتا تھا اس لیے سب سے زیادہ حافظ قرآن میں ہی تھا۔ سب نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ حافظ قران کوئی بھی قوم میں نہ نکلا تو مجھ ہی کو انہوں نے امام بنایا۔ میری عمر اس وقت چھ سات برس کی تھی۔ جب کوئی مجمع ہوتا یا جنازہ کی نوبت آتی تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا۔ (بخاری۔ ابو داؤد)

ف: یہ دین کی طرف طبعی میلان اور رجحان کا اثر تھا کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا حصہ بہت سا یاد کر لیا۔ رہا بچہ کی امامت کا قصہ، یہ مسئلہ کی بحث ہے جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک تو اشکال نہیں اور جن کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان ہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو بچے اس سے مراد نہیں تھے۔

۱۵۔ حضرت ابن عباسؓ کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قران اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کیلئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ آوں جاؤں نہیں۔ وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔ (بخاری۔ ابن سعد)

ف: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سیر و سفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں وہ بیکار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام حضرت عکرمہ بن گئے کہ بحر الامۃ او حبر الامۃ کے القاب سے یاد کیے جانے لگے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار ہیں جن میں ایک عکرمہ ہیں۔

۱۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بچپن میں حفظ قران

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ مجھ سے تفسیر پوچھو میں نے بچپن میں قران شریف حفظ کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل پڑھ لی تھی۔ (بخاری۔ فتح)

ف: اس زمانے کا پڑھنا ایسا نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع تفسیر کے پڑھتے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباس تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل ہیں بہت کم دوسری حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہے کہ قران کہ بہترین مفسر ابن عباس ہیں۔ ابو عبدالرحمن کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قران شریف پڑھاتے تھے وہ کہتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے اس کے بعد

دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا۔(منتخب کنز) تیرہ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا۔اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا وہ کھلی کرامت اور قابل رشک ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ تفسیر ان سے دریافت کرتے ہیں۔اگرچہ یہ حضور ﷺ کی دعا کا ثمرہ تھا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ استنجے کیلئے تشریف لے گئے۔ باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کس نے رکھا ہے عرض کیا گیا کہ ابن عباسؓ نے۔ حضور ﷺ کو یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اسکے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے۔ یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ کھینچ کر برابر کھڑا کر لیا کہ ایک مقتدی اگر ہو تو کو برابر کھڑا ہونا چاہیے۔اسکے بعد حضور ﷺ تو نماز مشغول ہو گئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے حضور ﷺ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا۔ عرض کیا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں۔ حضور ﷺ نے علم اور فہم کے زیادہ ہونے کی دعا دی۔(اصابہ)

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کا حفظ حدیث

حضرت عبداللہ بن العاصؓ ان عابد اور زاہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے کہ روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزدار رہتے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کثیر محنت پر تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہو جائے گا۔آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا جائیں گی۔ بدن کا بھی حق ہے۔اہل و عیال کا بھی حق ہے۔آنے جانے والوں کا بھی حق ہے۔ کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانے ایک ختم کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینے میں ایک قران مجید پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی قوت اور جوانی سے منتفع ہونے کی اجازت فرما دیجئے۔

حضورﷺ نے فرمایا۔ اچھا بیس روز میں ایک ختم کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ بہت کم ہے۔ مجھے اپنی جوانی اور قوت سے متمتع ہونے کی اجازت دیجئے۔ عرض اسی طرح کرتا رہا۔ اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ نبی اکرمﷺ کے ارشادات کو تحریر کیا کرتے تھے تاکہ یاد رہیں۔ چنانچہ ان کے پاس ایک مجموعہ حضورﷺ کی احادیث کا لکھا ہوا تھا۔ جس کا نام انہوں نے صادقہ رکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضورﷺ سے جو سنتا اس کو لکھ لیا کرتا تاکہ یاد رہے۔ مجھے لوگوں نے منع کیا کہ حضورﷺ بہر حال آدمی ہیں۔ کبھی غصہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں کبھی خوشی اور مزاح میں کچھ ارشاد ہوتا ہے ہر بات نہ لکھا کرو۔ میں نے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ حضورﷺ سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ (مسند احمد۔ ابن سعد)

ف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باوجود اس قدر زاہد عابد ہونے کے کہ کثرتِ عبادت میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہے کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں۔ بجز عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کہ وہ لکھتے تھے میں لکھتا نہیں تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایات ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ اگرچہ ہمارے زمانے میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایات ان سے کہیں زیادہ ملتی ہے جس کی بہت سی وجوہ ہیں لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے ان کی احادیث موجود تھیں۔

۱۸۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظ قرآن

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہؓ میں ہیں جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے۔ بالخصوص فرائض کے ماہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ، قضاء، فرائض، قرات میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت کم عمر بچے تھے۔ گیارہ برس کی عمر تھی اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں، یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی۔ ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے اور حصول برکت کے واسطے بچوں کو بھی ساتھ لا رہے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کئے گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلہ نجار کا ایک لڑکا ہے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے سترہ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں۔ حضور ﷺ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا میں نے سورہ قٓ حضور ﷺ کو سنائی۔ حضور ﷺ کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے۔ وہ یہود ہی لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں تو یہود کی زبان سیکھ لے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صرف پندرہ دن میں ان کی زبان عبرانی میں کامل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے جو تحریر ان کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں ایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سریانی زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں۔ اسلئے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ (فتح۔ اصابہ)

۱۹۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہے اس اعتبار سے حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی۔ سات برس عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جاسکتا ہو لیکن اس کے باوجود حدیث کی روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ ابوالحورہ رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص ہیں انہوں نے حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ تمہیں حضور اقدس ﷺ کی کوئی بات یاد ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ہاں میں حضور ﷺ کے ساتھ جارہا تھا۔ راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ حضوراقدس ﷺ نے کخ کخ (ہاہا) فرمایا اور میرے منہ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور ﷺ سے سیکھی ہیں۔ (فتح۔ اصابہ)

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کیلئے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا بتائی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلاَ يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

ترجمہ: "اے اللہ تو مجھے ہدایت فرما منجملہ ان کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرمایا۔ ان لوگوں کے ذیل میں جن کو تو نے فوقیت بخشی اور تو میرے کاموں کا متولی بن جا جہاں اور بہت سے لوگوں کا متولی ہے اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تو نے مقدر فرمایا ہے اس کی برائی سے مجھے بچا کہ تو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے۔ تیرے خلاف کوئی شخص کچھ بھی فیصلہ نہیں کرسکتا اور جس کا تو والی ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا۔ تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔ امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا۔ حضرت حسنؓ نے کئی حج پیدل کئے اور ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں۔ نہایت حلیم مزاج تھے اور پرہیز گار۔ مسند احمد میں متعدد روایات ان سے نقل کی گئی ہیں اور

صاحب تلقیح نے ان صحابہؓ میں ان کا ذکر کیا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

۲۰۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حجرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے اس لئے ان کی عمر حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی۔ یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے۔ لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کے وقت پہنچا تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَآ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔ حضرت حسینؓ نے پچیس ۲۵ حج پیدل کئے ہیں۔ نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسینؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی کوئی بات آپ کو یاد ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں۔ اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو

ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسینؓ سے حضور کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو (اسد الغابہ ۔استیعاب)ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپؓ سے منقول ہیں۔

ف: اس قسم کے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور ﷺ سے نقل کئے اور یاد رکھے۔ محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جن کی عمر حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے یہاں ایک کنواں تھا۔ اس کے پانی سے ایک کلی میرے منہ پر کی (اصابہ)ہم لوگ بچوں کو واہی تباہی فضول باتوں میں لگاتے ہیں جھوٹے جھوٹے قصے ان کو سنا کر لغویات میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر اللہ والوں کے قصے تلاش کر کے ان کو سنائے جائیں اور بجائے جن بھوت سے ڈرانے کے اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ کی ناراضی کی اہمیت اور ہیبت دل میں پیدا کریں تو دنیا میں بھی ان کے کارآمد ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی بچپن کا زمانہ حافظہ کی وقت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا۔ ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے تو نہ کوئی دقت ہو، نہ وقت خرچ ہو۔ میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب دودھ چھڑایا گیا تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مخفی فارسی کا بھی معتد بہ حصہ بوستان سکندر نامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو باقی تمام دن چھٹی میں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا اور چھ ساتھ گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کر کے دوپہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا، چھ ماہ تک مسلسل یہی معمول رہا چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید

پڑھنا پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ

قرآن شریف میں متشابہ لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے چونکہ ظاہری معاش کتابوں کی تجارت پر تھی اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے

کیا کرتے تھے اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں اور کبھی کبھی اسی

کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسہ سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے اس طرح تین کام ایک وقت میں کر لیا کرتے

تھے۔ مگر ان کا طریقۂ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہین تھا جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مروجہ طریقہ ہے کہ سارا بوجھ

استاد ہی کے ذمہ رہے بلکہ مخصوص طلبہ کے ساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے ترجمہ کرے مطلب بیان کرے اگر وہ مطلب

صحیح ہوتا تو آگے چلو فرما دیتے اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابل تنبیہ ہوتی، تو تنبیہ فرماتے اور بتانے کے قابل ہوتی تو بتا دیتے۔ یہ پرانے

زمانے کا قصہ نہیں ہے اسی صدی کا واقعہ ہے۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قُویٰ اور ہمتیں اب کہاں سے

لائی جائیں۔

بارھواں باب

حضور اقدس ﷺ کیساتھ محبت کے واقعات

اگرچہ جتنے قصے اب تک نقل کئے گئے ہیں وہ سب ہی محبت کے کرشمے تھے کہ محبت ہی ان حضرات کی والہانہ زندگی کا سبب

تھی جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا نہ تکلیف کا خوف نہ موت سے ڈر، اس کے علاوہ محبت حکایت

کی چیز بھی نہیں۔ وہ ایک کیفیت ہے جو الفاظ و عبارات سے بالاتر ہے۔ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب

کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے۔ نہ اس کے سامنے ننگ و ناموس کوئی چیز ہے نہ عزت و شرافت کوئی شے۔ حق تعالیٰ شانہ، اپنے لطف سے

اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول ﷺ کی محبت عطا فرمائیں تو ہر عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت۔

ا۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق کا اعلان اسلام اور تکلیف

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے اخفا کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے اول انکار فرمایا مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اصرار پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضور اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرات حمزہؓ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مسلم تھی اس قدر مارا کہ تمام چہرہ مبارک خون میں بھر گیا۔ ناک کان سب لہولہان ہو گئے تھے۔ پہچانے نہ جاتے تھے۔ جوتوں سے لاتوں سے مارا۔ پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے۔ بنو تیم یعنی ابو بکر صدیقؓ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی۔ وہ وہاں سے اٹھا کر لائے کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ حملے سے زندہ بچ سکیں گے بنو تیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہو گئی تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے عتبہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی

کا اظہار کیا تھا شام تک حضرت ابو بکرؓ کو بیہوشی رہی۔ باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی شام کو آوازیں دینے پر

وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ کی

بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لے۔ لوگ پاس

سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ کی والدہ ام خیر سے کہہ گئے کہ

ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کر دیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی

وہی ایک صدا تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے، حضور ﷺ پر کیا گذری ان کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے آپ

نے فرمایا کہ ام جمیلؓ (حضرت عمرؓ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کر لو کہ کیا حال ہے وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بے تابانہ

درخواست کو پورا کرنے کے واسطے ام جمیلؓ کے پاس گئیں اور محمد (ﷺ) کا حال دریافت کیا وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت

تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں فرمانے لگیں میں کیا جانوں کہ کون محمدؐ اور کون ابو بکرؓ تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا اگر

تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ ام خیر نے قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابو بکرؓ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کر

سکیں بے تحاشا رونا شروع کر دیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کر دیا۔ اللہ تعالی ان کو اپنے کیے کی سزا دے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پھر پوچھا

کہ حضورؐ کا کیا حال ہے ام جمیلؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ ان سے

خوف نہ کرو۔ تو ام جمیلؓ نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں۔ انھوں نے عرض

کیا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک

حضور ﷺ کی زیارت نہ کر لوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھا لیں اور انہوں نے قسم کھا لی کہ جب تک زیارت نہ کر

لوں کچھ نہ کھاؤں گا۔ اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے

جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں ارقمؓ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے لپٹ گئے حضور اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابو بکرؓ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں آپ ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمادیں حضور اقدس ﷺ نے اول دعا فرمائی اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

ف: عیش و عشرت، نشاط و فرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے وصال پر رنج

حضرت عمرؓ باوجود اپنی اس ضرب المثل قوت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شہرۂ آفاق ہے اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اخفاء گوارا نہ ہوا۔ حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک ادنی سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضور اقدس ﷺ کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اڑا دوں گا حضور اقدس ﷺ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضور موسی علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام طور پر تشریف لے گئے تھے۔ عنقریب حضور ﷺ واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور ﷺ کے انتقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں حضرت عثمانؓ بالکل گم سم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں

نکل چلتے پھرتے تھے مگر بولا نہیں جاتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی۔ صرف ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبت کے باوجود جو پہلے قصہ میں گذری اس وقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اول حضور اقدس ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد خطبہ پڑھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ حضور کا وصال ہو چکا لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں اس کے بعد کلام پاک کی آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اخیر تک تلاوت فرمائی (خمیس) ترجمہ: محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ شانہ جلد ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو۔ (بیان القرآن)

ف: چونکہ اللہ جل شانہ کو حضرت ابو بکرؓ صدیق سے خلافت کا اہم کام لینا تھا اس لئے ان کی شایان شان اس وقت یہی حالت تھی۔ اسی وجہ سے اس وقت جس قدر استقلال اور تحمل حضرت صدیق اکبرؓ میں تھا کسی میں بھی نہ تھا، اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن ومیراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ منورہ میں یا بیت المقدس میں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہو۔ لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپؓ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی

وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا متولی بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قریش اس امر یعنی سلطنت کے متولی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

۳۔ ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کیلئے بے قرار ہونا

احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہنچی اور شہید بھی بہت ہوئے مدینہ طیبہ میں یہ وحشت اثر خبر پہنچی تو عورتیں پریشان ہو کر تحقیق حال کے لئے گھر نکل پڑیں ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھا تو بے تابانہ پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور پھر بے قراری سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کی کہ وہ سب ہی شہید ہو گئے تھے۔ مگر انہوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں تشریف لا رہے ہیں۔ اس سے اطمینان نہ ہوا کہنے لگیں کہ مجھے بتادو کہاں ہیں۔ لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں۔ یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضور ﷺ کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا یا رسول اللہ آپکی زیارت ہو جانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں (خمیس)

ف: اس قسم کے متعدد قصے اس موقع پر پیش آئے ہیں۔ اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے۔

۴۔ حدیبیہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کا فعل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

حدیبیہ کا مشہور غزوہ ذیقعدہ ۶ ھ میں ہوا جب کہ حضور اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے کفار مکہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کی اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے سے روکا جائے۔ اس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذوالحلیفہ سے حضور اقدس ﷺ نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے عسفان پر حضور ﷺ سے ملے۔ انھوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رکھا ہے حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے جب وہ خبر سنیں گے تو مکہ سے واپس آجائیں گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں۔ اس لئے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حدیبیہ میں پہنچ کر بُدَیل بن ورقا خزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ کو ہر گز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے وہ تو لڑائی پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روز مرہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہنچا رکھا ہے بالکل ہلاک کر دیا ہے اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مصالحت کرنے کو تیار

ہوں کہ میرے اوران کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ مجھ سے تعرض نہ کریں، میں ان سے تعرض نہ کروں۔ مجھے اوروں سے

نمٹنے دیں اور اگر وہ کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے

لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جدا ہو جائے۔ بدیل نے عرض کیا اچھا میں آپ کا پیام ان تک پہنچائے دیتا

ہوں۔ وہ لوٹے اور جا کر پیام پہنچایا مگر کفار راضی نہ ہوئے اسی طرح طرفین سے آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا جن میں ایک مرتبہ عروہ

بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے حضور ﷺ نے ان سے

بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ نے عرض کیا اے محمد (ﷺ) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کردو تو یہ

ممکن نہیں تم نے کبھی نہ سنا ہو گا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی

کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا۔ یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ

ہیں مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہوئے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں گھر

گئے اور ارشاد فرمایا کہ تو اپنے معبود لات کی پیشاب گاہ کو چاٹ کیا ہم حضور ﷺ سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے

عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک

قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور ﷺ سے بات

میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے

کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی۔ عروہ کے بھتیجے

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا قبضہ عروہ

کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مغیرہ۔ عروہ نے کہا۔ اور غدار تیری غداری کو میں اب

تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ (حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض وہ طویل گفتگو حضورؐ سے کرتے رہے اور نظریں بچا کر صحابہ کرامؓ کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں قیصر کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے جو بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب لوٹ پڑتے ہیں ان کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں، زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے۔ اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ اسی دوران میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سرداران مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمانؓ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے ان کو تجویز فرمایا تھا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہ کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں چنانچہ حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا جہاں دل چاہے چلو پھرو تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمانؓ ابو سفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے

دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے صحابہؓ سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمانؓ کو فوراً چھوڑ دیا گیا۔

ف: اس قصہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد حضرت مغیرہؓ کا مارنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار۔ ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے بیعۃ الشجرۃ کہلاتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آ رہی ہے۔

۵۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خون پینا

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں۔ وہ گئے اور آکر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہاں عرض کیا میں نے پی لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے (خمیس)

ف: حضور ﷺ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کہ ہلاکت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور امارت کی طرف اشارہ ہے کہ امارت ہوگی اور لوگ اس میں مزاحم ہوں گے چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ جب پیدا ہوئے تھے اس وقت بھی حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ایک مینڈھا ہے بھیڑیوں کے درمیان، ایسے بھیڑیے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابن زبیرؓ کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے۔

۶۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا خون پینا

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہؓ کا ٹوٹ گیا۔ اس کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالکؓ بن سنان نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی (قرۃ العیون)

۷۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے۔ بنو قیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کو مکہ کے بازار میں لا کر بیچا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے ان کو خرید لیا۔ جب حضور ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔ زیدؓ کے والد کو ان کے فراق کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے۔ وہ زیدؓ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں زید رضی اللہ عنہ کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تا کہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اسی کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔ میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا اونٹ چلنے سے اکتا جائیں تو اکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اکتاؤں گا اپنی ساری زندگی اسی میں گذار دوں گا۔ ہاں میری موت ہی آگئی تو خیر کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے۔ آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگا دیں مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں۔ غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا، اور انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کو پہچانا باپ کا حال سنایا۔ شعر سنائے اس کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زیدؓ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں خیریت سے ہوں۔ تم غم اور صدمہ نہ کرو میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید رضی اللہ عنہ کی خیر و

خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زیدؓ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ تحقیق کی پتہ چلایا، حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، اور عرض کیا اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو بھوکوں کو کھانا دیتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو حضورؐ نے فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا زید کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا بس اتنی سی بات ہے۔ عرض کیا کہ حضور بس یہی غرض ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کر سکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا۔ یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زیدؓ بلائے گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو عرض کیا جی ہاں پہچانتا ہوں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں آپ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے (خمیس) حضرت زیدؓ اس وقت بچے تھے۔ بچپن کی حالت میں سارے گھر، عزیز و اقارب کو غلامی پر قربان کر دینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

۸۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا عمل احد کی لڑائی میں

احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابہؓ پر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انسؓ نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر حضور ﷺ کے بعد تم ہی زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوئے (خمیس)

ف: ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لئے جینا تھا جب وہ ہی نہیں رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اسی میں اپنی جان نثار کر دی۔

۹۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیام احد میں

اسی احد کی لڑائی میں حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سعدؓ بن ربیع کا حال معلوم نہیں ہو کہ کیا گذری۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو تلاش کے لئے بھیجا۔ وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں۔ پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا ہے کہ سعدؓ بن ربیع کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی۔ یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعدؓ نے کہا

کہ حضور ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالی میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور ﷺ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالی کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جان بحق ہو گئے (خمیس)

ف: فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزَى صَحَابِيًا عَنْ أُمَّةِ نَبِيِّهِ در حقیقت ان جاں نثاروں نے (اللہ تعالی اپنے لطف سے ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں۔ دم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شکوہ کوئی گھبراہٹ کوئی پریشانی لاحق ہو جائے۔ ولولہ ہے تو حضور ﷺ کی حفاظت کا، حضور ﷺ پر جاں نثاری کا، حضور ﷺ پر قربانی کا۔ کاش مجھ سے نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جاتا۔

۱۰۔ حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

حضرت عائشہ صدیقہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرادو حضرت عائشہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجرہ شریف کھولا انہوں نے زیارت کی اور زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا (شفا(

ف: کیا اس عشق کی نظیر بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب نہ لا سکیں اور وہیں جان دے دی۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کی محبت کے متفرق قصے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ اپ کو حضور اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔

ف: سچ فرمایا در حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ حضرات کامل الایمان تھے اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

(ترجمہ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالی بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا اس آیت شریفہ میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبت سے محبت اختیاری مراد ہے غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبت طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہ کا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے ماسوا سب سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس کسی سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مؤمن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الان یا عمر (اس وقت اے عمر) علماء نے اس کے دو مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس وقت تمھارا ایمان کامل ہوا ہے دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمھیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں حالانکہ یہ بات اول ہی سے ہونا چاہیے تھی سہیل تُستریؒ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور ﷺ کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی ملک میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ ایک صحابیؓ نے آکر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے انتظار ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا جس سے اس کو محبت ہے کئی صحابہؓ نے نقل کیا ہے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، صفوانؓ، ابوذرؓ وغیرہ حضرات ہیں ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس قدر خوشی اس ارشاد مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہیے تھی کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت تو ان کے رگ و پے میں تھی پھر ان کو کیوں نہ خوشی

ہوتی۔ حضرت فاطمہؓ کا مکان شروع میں حضور اقدس ﷺ سے ذرا دور تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا تمہارا مکان تو قریب ہی ہو جاتا۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حارثہؓ کا مکان آپ کے مکان کے قریب ہے ان سے فرمادیں کہ وہ میرے مکان سے بدل لیں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہو چکا ہے اب شرم آتی ہے حارثہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی فوراً حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ فاطمہؓ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں یہ میرے مکانات موجود ہیں ان سے زیادہ قریب کوئی مکان نہیں جو نسا پسند ہو بدل لیں۔ یا رسول اللہ میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم جو مال آپ لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس مال سے جو میرے پاس رہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا سچ کہتے ہو، اور برکت کی دعا دی اور مکان بدل لیا ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی محبت مجھے میری جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ ہے میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا خیال آجاتا ہے تو صبر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آکر زیارت نہ کر لوں مجھے یہ فکر ہے کہ موت تو آپ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہی ہے اس کے بعد تو آپ انبیاء علیہ السلام کے درجہ پر چلے جائیں گے تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا حضور اقدس ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی۔ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ اَنعَمَ اللّٰهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا۔ ذٰلِكَ الفَضلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيمًا

(ترجمہ) "جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء، اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور انکے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو" اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے عشق

است وہزار بدگمانی۔ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں یہی آیت سنائی چنانچہ ایک صحابیؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آجاتا ہے اگر اس وقت میں آکر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے ۔ مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا۔ مجھے تو جنت میں بھی آپ کی زیارت بغیر بڑی مشقت ہوگی۔ آپ ﷺ نے یہی آیت سنائی ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاریؓ حاضر خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا غمگیں کیوں ہو عرض کیا یا رسول اللہ ایک سوچ میں ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا سوچ ہے عرض کیا یا رسول اللہ ہم صبح وشام حاضر خدمت ہوتے ہیں آپ ﷺ کی زیارت سے محفوظ ہوتے ہیں آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔ کل کو آپ تو انبیاءؑ کے درجے پر پہنچ جائیں گے ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہوگی حضور اقدس ﷺ نے سکوت فرمایا، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے ان انصاریؓ کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے یہ اشکال کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت ان کو سنائی ایک حدیث میں ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں اس کے درجہ اونچے ہوں گے تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہو گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجہ والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے بات چیت کریں گے (در منثور) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش اپنے اہل وعیال اور مال کے بدلے میں وہ مجھے دیکھ لیتے۔ خالدؓ کی بیٹی عبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے، حضور ﷺ کی یاد اور شوق واشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین وانصار صحابہؓ کا نام لے کر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول وفروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور ان کی طرف میرا دل کھنچا جارہا ہے یا اللہ مجھے جلد ہی موت دیدے کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا

کہ یارسول اللہ مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت آپ کے چچا ابو طالب کے مسلمان ہو جانے کی زیادہ تمنا ہے اس لئے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ سے عرض کیا کہ آپ کے اسلام لانے کی مجھے زیادہ خوشی ہے، اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اسلئے کہ آپ کا اسلام حضورؐ کو زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ رات کو حفاظتی گشت فرمارہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی جو اون کو دھنتی ہوئی اشعار پڑھ رہی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد ﷺ پر نیکوں کا درود پہنچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ ہوں ان کا درود پہنچے۔ بیشک یارسول اللہ آپ راتوں کو عبادت کرنے والے تھے اور اخیر راتوں کو رونے والے تھے۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھے ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے نہ معلوم میری موت کس حالت میں آئے اور حضور ﷺ سے مرنے کے بعد ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ بھی ان اشعار کو سن کر رونے بیٹھ گئے۔ حضرت بلالؓ کا قصہ مشہور ہے ہی کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو ان کی بیوی جدائی پر رنجیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ ہائے افسوس، وہ کہنے لگے سبحان اللہ کیا مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد ﷺ کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہؓ سے ملیں گے۔ حضرت زیدؓ کا قصہ باب ۵ کے قصہ نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ جب ان کو سولی دی جانے لگی تو ابو سفیان نے پوچھا کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیرے بجائے خدانخواستہ حضور ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ کریں۔ تو زیدؓ نے کہا خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں۔ ابو سفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت کو ان سے ہے۔

تنبیہ: علماء نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوی پر ترجیح دیتا ہے یہی معنی محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں محض دعویٰ محبت ہے پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپکے احکامات کی بجاآوری کرے اور آپؐ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے، ان سے پرہیز کرے۔ خوشی میں رنج میں تنگی میں وسعت میں ہر حال میں آپؐ کے طریقے پر چلے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ترجمہ:۔آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

خاتمہ

صحابہ کرامؓ کے ساتھ برتاؤ اور اُن کے اجمالی فضائل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چند قصے نمونہ کے طور پر لکھے گئے ہیں ورنہ ان کے حالات بڑی ضخیم کتابوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اردو میں بھی متعدد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا۔ پھر مدرسہ کے مشاغل اور وقتی عوارض کی وجہ سے تعویق میں پڑ گیا۔ اس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جا چکے ہیں وہ قابل انتفاع ہو جائیں۔ اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حق شناسی اور اس کے ادب واحترام

میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ توان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں حالانکہ صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں۔ دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآہ نہیں ہو سکتے۔ حق تعالی شانہ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا۔ اس لئے اس خاتمہ میں قاضی عیاضؒ کی شفا کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے درج کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی کے اعزاز واکرام میں داخل ہے حضور ﷺ کے صحابہؓ کا اعزاز واکرام کرنا اور ان کے حق کو پہچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا، اور ان کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلاف میں لب کشائی نہ کرنا اور مؤرخین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا جو ان حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہؓ کا ذکر (یعنی برا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ حق تعالی شانہ کا ارشاد ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ :۔ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں کبھی سجدہ کرنے والے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے عبدیت کے آثار بوجہ تاثیر ان کے سجدہ کے ان کے چہرے پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اول اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہؓ میں اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو اس لئے یہ نشو نما دیا) تا کہ ان سے کافروں کو حسد میں جلاوے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے'' یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو اور آیت کیفرق سے ترجمہ میں بھی فرق ہو جائے گا جو تفاسیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی صورت میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ط وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ ترجمہ: ''تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپؐ کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپؐ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کو دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم) تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی (مراد اس سے فتح خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے'' یہ ہی وہ بیعت ہے جس کو بیعت الشجرۃ کہا جاتا ہے۔ اخیر باب کے قصہ نمبر ۴ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ صحابہؓ کے بارے میں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ترجمہ :۔ ''ان مؤمنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر ان میں سے بعض تو

ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (یعنی شہید ہو چکے) اور بعض ان میں اس کے مشتاق و منتظر ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا"۔ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ترجمہ:۔اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ان آیات میں اللہ جل شانہ نے صحابہؓ کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ کا اقتداء کیا کرو۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاضؒ پر اس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے مگر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کر دی جاتی ہیں) حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہؓ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔ حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہؓ کے ایک مد یا آدھے مد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہؓ کو

گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل حضور کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہؓ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ان کو میرے سب صحابہؓ سے افضل قرار دیا۔ ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ جس نے ابو بکرؓ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمرؓ سے محبت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمانؓ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ جو صحابہؓ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہؓ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق سنت کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابو بکرؓ سے خوش ہوں تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ میں عمرؓ سے، عثمانؓ سے، علیؓ سے طلحہؓ سے، زبیرؓ سے، سعدؓ سے سعیدؓ سے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے، ابو عبیدہؓ سے خوش ہوں۔ تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ اے لوگو! اللہ جل شانہ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرمادی۔ تم میرے صحابہؓ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ شانہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میرے رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آجائے۔ حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہؓ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہونگا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہؓ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میری پاس حوض کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میرے رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس

حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور ہی سے دیکھے گا۔ سہل بن عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کے صحابہؓ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور ﷺ ہی پر ایمان نہیں لایا۔ اللہ جل شانہ اپنے لطف وفضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ کو اور سب مؤمنین کو محفوظ رکھے اور ان حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے آمین۔ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلٰی اَتْبَاعِہٖ وَاَتْبَاعِھِمْ حَمَلَۃُ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ۔ تَمَّتْ

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲ شوال ۱۳۵۷ھ دوشنبہ